الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

مارچ
2026

دعا-مومن کا ہتھیار

آج جب کہ ہم اپنے موجودہ حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اسباب کی دنیا میں ہمارے ہاتھ خالی ہیں، تدبیریں الٹی پڑ رہی ہیں، اور مادی وسائل کے اعتبار سے ہم ایک نہتی قوم ہیں۔ ایسے حالات میں جب زمین کے تمام دروازے ہمارے لیے بند ہو چکے ہیں، ہماری طاقتیں ختم ہو چکی ہیں، کوئی ہمارا پرسانِ حال نہیں، مصائب و آلام ہیں کہ پے در پے ہمیں اپنا نشانہ بنانے کو بے قرار ہیں، ایسے میں ہمیں اپنی اُس بھولی ہوئی طاقت کو یاد کرنے کی ضرورت ہے جو لوہے اور بارود سے زیادہ اثر رکھتی ہے۔ یہ وہ ہتھیار ہے جس کے سامنے ماضی میں دنیا کی سپر پاورز اور فرعونیت کے بڑے بڑے دعوے بھی ریت کی دیوار ثابت ہو چکے ہیں۔ آج ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ نہیں کہ ہمارے پاس مادی وسائل کی کمی ہے، بلکہ ہماری حقیقی محرومی یہ ہے کہ ہم نے اپنے سب سے مؤثر ہتھیار یعنی "دعا" کو زنگ آلود کر دیا ہے۔

ہمارے سامنے رمضان المقدس کا مہینہ ہے، یہ محض بھوک اور پیاس برداشت کرنے کا موسم نہیں، بلکہ اس موسم میں اپنے اسی زنگ آلود ہتھیار کو صیقل کرنے اور اسے آزمانے کا بہترین وقت ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جب عرش کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اللہ کی رحمت مسلسل اپنے بندوں کو پکارتی ہے۔ موجودہ پر آشوب حالات میں، جب ہماری مساجد، مدارس اور ہمارے تشخص پر یلغاریں ہیں، ہمیں اس رمضان کو روایتی انداز سے ہٹ کر ایک مہم کے طور پر گزارنا ہوگا۔ ہمیں اپنی سجدہ گاہوں کو میدانِ جنگ بنانا ہوگا، جہاں ہم اپنے آنسوؤں اور آہِ سحر گاہی کے ذریعے آسمانی فیصلوں کو اپنے حق میں کر سکیں۔ یاد رکھیے! جب زمین کے نام نہاد منصفوں کے فیصلے انصاف سے عاری ہو جائیں، تو اللہ عزّوجل کی عدالت میں پیش ہونے کے لیے دعا سے بہتر کوئی وکیل اور کوئی سفارش نہیں ہوتی۔ (مہتاب پیامی)

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

زیر سرپرستی

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ

عبد الحفیظ عزیزی

سربراہِ اعلیٰ

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

THE ASHRAFIA MONTHLY Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 51 شمارہ 3

مارچ 2026ء

رمضان 1447ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : مبارک حسین مصباحی

منیجر : محمد محبوب عزیزی

تزئین کار : مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی

مولانا محمد ادریس بستوی

مولانا محمد عبد المبین نعمانی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

+91 9935162520 (Manager)

زرِ تعاون

قیمت عام شمارہ: 30 روپے

سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے

سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

750 روپے

دیگر بیرونی ممالک

25$ امریکی ڈالر 20£ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

Email : ashrafiamonthly@gmail.com

mubarakmisbahi@gmail.com

info@aljamiatulashrafia.org

BHIM

BHIM UPI Payments Accepted at

ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY

A/c No. 3672174629

Central Bank Of India

Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ		دعا کی طاقت	مہتاب پیامی	5
قرآنیات	تفہیم قرآن	سلام کے آداب واحکام	محمد حبیب اللہ بیگ ازہری	11
فقہیات	آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں علمائے دین	مفتی محمد نظام الدین رضوی	14
تحقیقات	شواھد ونتائج	مہریات کے اولین ماخذ	محمد نعمان چشتی	16
نظریات	فکر امروز	اسلاموفوبیا کی توسیع	محمد اختر رضا امجدی	18
اسلامیات	شعاعیں	فجر کی نماز کب قائم کریں؟	عمران رضا عطاری	20
شخصیات	انوار حیات	حیات شیخ العالم	آفتاب رشک مصباحی	22
سیاسیات	آئینۂ وطن	مسلم یا مجرم	مہتاب پیامی	25
تاریخیات	یاد ماضی	تاریخ اور تاریخی مطالعات (2)	مہتاب پیامی	27
طبیات	حفظان صحت	مصنوعی ذہانت اور انسانی صحت	ڈاکٹر ام فرح	31
بزم خواتین	چراغ خانہ	طہارت کا اسلامی تصور	سلمٰی شاہین امجدی	33
بزم دانش	فکر ونظر	رمضان کے گم نام خدمت گزار	ڈاکٹر مفتی محمد سبطین رضا مرتضوی	35
		اپنے اوقات کو قیمتی بنائیں	محمد اشفاق عالم امجدی	41
ادبیات	نقد ونظر	کلامِ رضا-فکری وفنی زاویے	تبصرہ: طاہرہ انعام	43
وفیات	تعزیت نامے	آہ! حبیب ملت نہ رہے	مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری	49
		علامہ سید قمر الدین بابا علیہ الرحمہ	مفتی محمد اعظم مصباحی مبارک پوری	50
مکتوبات	صدائے بازگشت	○حافظ افتخار احمد قادری ○توصیف شیخ		51
سرگرمیاں	عالمی خبریں	غزہ میں فلسطینیوں کے فضا میں تحلیل ہونے کا انکشاف		54
	خیر وخبر	○جامعہ اسلامیہ کا سالانہ اجلاس ○رسمِ اجرا		56
منظومات	خیابانِ حرم	نعت ومناجات.	○محمد علی ظہوری ○امثل فواز دہلوی	58

اداریـــــــہ

دعا کی طاقت

مہتاب پیامی

دعا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ہمارے پیارے آقا، نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا:

الدُّعَاءُ سِلاحُ الْمُؤْمِنِ، وَعِمَادُ الدِّينِ، وَنُورُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ.

یعنی "دعا مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اور آسمان وزمین کا نور ہے۔"

دعا کی اہمیت وافادیت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

أَتَهْزَأُ بِالدُّعَاءِ وَتَزْدَرِيهِ؟ وَمَا يُدْرِيكَ مَا صَنَعَ الدُّعَاءُ؟

سِهَامُ اللَّيْلِ لَا تُخْطِئُ وَلَكِنْ لَهَا أَمَدٌ وَلِلْأَمَدِ انْقِضَاءُ

وَقَدْ شَاءَ الإِلَهُ بِمَا تَرَاهُ فَمَا لِلْمُلْكِ عِنْدَكُمْ بَقَاءُ

مذکورہ اشعار کے نفس مضمون پر بات کی جائے تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا تم دعا کو ہنسی کا موضوع بناتے ہو اور اسے بے وقعت سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہو؟ تمھیں کیا معلوم کہ دعا کس طرح تقدیروں کے بند دروازے کھول دیتی ہے! رات کی تنہائی میں بلند ہونے والی دعائیں خاموش تیر کی مانند ہوتی ہیں، جو کبھی خطا نہیں کرتیں، البتہ ان کے اثر ظاہر ہونے کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے، اور ہر مقرر وقت اپنی گھڑی پر آکر پورا ہو جاتا ہے۔ اور جو حالات تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، وہ سب اللہ جل شانہ کی قدرتِ کاملہ اور اس کے فیصلے سے وجود میں آئے ہیں؛ اس لیے یاد رکھو کہ کسی اقتدار، کسی حکومت اور کسی طاقت کو یہاں دائمی بقا حاصل نہیں۔

آج جب کہ ہم اپنے موجودہ حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اسباب کی دنیا میں ہمارے ہاتھ خالی ہیں، تدبیریں الٹی پڑ رہی ہیں، اور مادی وسائل کے اعتبار سے ہم ایک نہتی قوم ہیں۔ ایسے حالات میں جب زمین کے تمام دروازے ہمارے لیے بند ہو چکے ہیں، ہماری طاقتیں ختم ہو چکی ہیں، کوئی ہمارا پرسانِ حال نہیں، مصائب وآلام ہیں کہ پے در پے ہمیں اپنا نشانہ بنانے کو بے قرار ہیں، ایسے میں ہمیں اپنی اُس بھولی ہوئی طاقت کو یاد کرنے کی ضرورت ہے جو لوہے اور بارود سے زیادہ اثر رکھتی ہے۔ یہ وہ ہتھیار ہے جس کے سامنے ماضی میں دنیا کی سپر پاورز اور فرعونیت کے بڑے بڑے دعوے بھی ریت کی دیوار ثابت ہو چکے ہیں۔ آج ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ نہیں کہ ہمارے پاس مادی وسائل کی کمی ہے، بلکہ ہماری حقیقی محرومی یہ ہے کہ ہم نے اپنے سب سے مؤثر ہتھیار یعنی "دعا" کو زنگ آلود کر دیا ہے۔

ہمارے سامنے رمضان المقدس کا مہینہ ہے، یہ محض بھوک اور پیاس برداشت کرنے کا موسم نہیں، بلکہ اس موسم میں اپنے اسی زنگ آلود ہتھیار کو صیقل کرنے اور اسے آزمانے کا بہترین وقت ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جب عرش کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اللہ کی رحمت مسلسل اپنے بندوں کو پکارتی ہے۔ موجودہ پر آشوب حالات میں، جب ہماری مساجد، مدارس اور ہمارے تشخص پر یلغاریں ہیں، ہمیں اس رمضان کو روایتی انداز سے ہٹ کر ایک مہم کے طور پر گزارنا ہوگا۔ ہمیں اپنی سجدہ گاہوں کو میدانِ جنگ بنانا

ہوگا، جہاں ہم اپنے آنسوؤں اور آہِ سحر گاہی کے ذریعے آسمانی فیصلوں کو اپنے حق میں کرسکیں۔ یاد رکھیے! جب زمین کے نام نہاد منصفوں کے فیصلے انصاف سے عاری ہوجائیں، تو اللہ عزّوجل کی عدالت میں پیش ہونے کے لیے دعا سے بہتر کوئی وکیل اور کوئی سفارش نہیں ہوتی۔

ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اہمیت و فضیلت پر گفتگو فرماتے ہوئے قرآن مقدس کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ۔ (المومن:60)

اور تمھارے رب نے کہا ہے کہ مجھے پکارو میں تمھاری دعا قبول کروں گا، یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ دعا عبادات میں جلیل القدر اور عظیم ترین عبادت ہے۔ دین میں دعا کا بہت اونچا مقام اور بلند مرتبہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا میں گریہ و زاری اور اللہ کے سامنے اپنی کمزوری اور محتاجی کا اظہار ہوتا ہے۔ نیز عبادت میں دل کی حاضری اور خشوع جتنا زیادہ ہوگا، وہ اتنی ہی افضل اور مکمل ہوگی، اور دعا اس مقصد کے حصول کے لیے سب سے قریب ترین ذریعہ ہے۔ دعا میں اللہ پر توکل اور اس سے مدد مانگنے کا پہلو لازم و ملزوم ہے۔ توکل کا مطلب یہ ہے دل اللہ تعالیٰ کی رحمت و قدرت پر اعتماد رکھے اور اس بات پر یقین کامل ہو کہ پسندیدہ چیزوں کا حصول اور ناپسندیدہ چیزوں کا دفاع صرف اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔

دعا کی فضیلت اور اس کی عظمتِ شان میں بے شمار نصوص موجود ہیں۔ ماہِ صیام یعنی رمضان المبارک کو دعا کے حوالے سے ایک خاص مقام حاصل ہے؛ کیوں کہ روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی، بشرطے کہ وہ اخلاص کے ساتھ روزہ رکھے، اپنی عبادت میں مخلص ہو اور اللہ کے ساتھ سچا رہے۔ طبرانی نے "الدعاء" میں یہ حدیث شریف نقل فرمائی ہے:

ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ: دَعْوَةُ الصَّائِمِ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ.

یعنی تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں: روزہ دار کی دعا، مظلوم کی دعا، اور مسافر کی دعا۔

ماہِ رمضان میں دعا کی اہمیت اور اس کے بلند مقام کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○ (البقرۃ:186)

ترجمہ: "اور (اے محبوب) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ کہہ دیجیے کہ) یقیناً میں قریب ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے، پس انہیں چاہیے کہ وہ میرے حکم کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پاجائیں۔"

یہ آیت روزوں کے احکام والی آیات کے درمیان آئی ہے۔ اس آیت سے پہلے فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ○ (البقرہ:185)

یعنی رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

اور اس کے بعد فرمایا:

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ (البقرہ:187)

تمھارے لیے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کیا گیا ہے۔

چنانچہ خاص دعا سے تعلق رکھنے والی اس مبارک آیتِ کریمہ کا احکامِ صیام کی آیات کے عین درمیان ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ اس مہینے میں دعا کی کتنی عظمت اور اہمیت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مبارک مہینے میں بندے کا دل اس امید سے لبریز ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس مہینے کے حقوق کو بہترین اور مکمل انداز میں ادا کرنے کی توفیق دے گا، اور اس کا واحد راستہ اللہ سے سوال کرنا اور دعا مانگنا ہے۔ اسی طرح وہ اس مہینے میں کثرت سے اطاعات، عبادات اور نیکیاں کرتا ہے اور یہ امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں قبول فرمائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ بندہ رمضان سے پہلے کچھ گناہوں کا مرتکب ہوا ہو، یا رمضان کے دوران اس سے کوئی کمی، کوتاہی یا غفلت سرزد ہو گئی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ اور مغفرت کا خواہاں ہو، تو اس کا راستہ بھی دعا کے سوا کچھ دوسرا ہے ہی نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس چیز کی طرف متوجہ کر رہا ہے جس کی وہ پناہ لیتے ہیں، جس کی طرف وہ بھاگتے ہیں اور جس کے ذریعے ان کی خواہشات پوری ہوتی ہیں، لغزشیں معاف ہوتی ہیں اور گناہ بخشے جاتے ہیں۔

قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دعا کی فضیلت پر متعدّد دلائل موجود ہیں۔ بعض آیات اور احادیث میں دعا کرنے کا حکم ہے، بعض میں دعا ترک کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے، اور بعض میں دعا کرنے والوں کے لیے اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ دعا اسلام میں ایک مطلوب اور پسندیدہ عمل ہے جسے اختیار کرنا ہر مسلمان کے لیے اہم ہے۔

قرآنِ کریم کی ترتیب خود دعا کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے۔ قرآن کا آغاز سورۂ فاتحہ سے ہوتا ہے جو مکمل طور پر دعا پر مشتمل ہے۔ اس سورہ میں بندہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتا ہے، اس سے مدد مانگتا ہے اور سیدھے راستے پر قائم رہنے کی دعا کرتا ہے۔ یہ قرآن کا اولین پیغام ہے کہ انسان کو اپنی بنیادی ضرورت، یعنی ہدایت، اللہ ہی سے مانگنی چاہیے۔

اسی طرح قرآنِ کریم کا اختتام سورۃ الناس پر ہوتا ہے، یہ سورہ بھی دعا ہی پر مشتمل ہے۔ اس میں وسوسوں سے حفاظت طلب کی گئی ہے، خواہ وہ وسوسے جنات کی طرف سے ہوں یا انسانوں کی طرف سے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی کے آخری مرحلے تک اللہ کی حفاظت اور مدد کی ضرورت رہتی ہے۔

قرآنِ کریم کا دعا سے شروع ہونا اور دعا پر ختم ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دعا اسلام میں ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ عمل بندے کو اللہ سے جوڑتا ہے، اسے عاجزی سکھاتا ہے اور اسے اپنی ہر ضرورت میں اللہ کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسی لیے دعا کو عبادت کا ایک لازمی اور مستقل حصہ قرار دیا گیا ہے۔

اللہ جل و علا نے قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر دعا کو "عبادت" کا نام دیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی حکایت میں فرمانِ ربانی ہے:

وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ○ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ○ (مریم:48،49)

اور میں تم سے اور جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ان سے کنارہ کش ہوتا ہوں، اور میں اپنے رب کو پکاروں گا، امید ہے کہ میں

اپنے رب کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔ پس جب وہ ان سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے ان سے الگ ہو گئے، تو ہم نے انھیں اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) عطا کیے اور ہر ایک کو نبی بنایا۔

قابلِ غور مقام ہے کہ جس عمل کو پہلی آیت میں "دعا اور پکار" سے موسوم کیا گیا اسی عمل کو مابعد کی آیت میں "عبادت" سے تعبیر کیا گیا۔

اس طرح کی دیگر متعدّد آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا بندگی کی بنیاد اور اس کی روح ہے۔ دعا اپنے رب کے سامنے عاجزی، فروتنی اور ٹوٹ کر بکھرنے کا نام ہے، اسی لیے قرآن کریم میں کثیر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس کی تاکید فرمائی ہے اور ترغیب دلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (الاعراف:55،56)

"اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارو، یقیناً وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلایا کرو، اور اس (اللہ) کو خوف اور امید کے ساتھ پکارو، یقیناً اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعا کی ترغیب دیتے ہوئے یہ خبر دی کہ وہ ان کے بہت قریب ہے، ان کی دعا قبول کرتا ہے، ان کی امیدیں پوری کرتا ہے اور جو وہ مانگتے ہیں عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں آیتِ کریمہ گذری:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○ (البقرۃ:186)

"اور (اے محبوب) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ کہہ دیجیے کہ) یقیناً میں قریب ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے، پس انہیں چاہیے کہ وہ میرے حکم کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پاجائیں۔"

ایک مقام پر سوالیہ انداز میں ارشاد فرمایا:

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ (النمل:62)

"بھلا وہ کون ہے جو بے قرار کی فریاد سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور تکلیف دور کرتا ہے اور تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟"

معلوم ہوا کہ بندے کی اللہ کے بارے میں معرفت جتنی زیادہ ہوتی ہے اور اس کے ساتھ تعلق جتنا مضبوط ہوتا ہے، اس کی دعا اتنی ہی عظیم ہوتی ہے اور اللہ کے حضور اس کی عاجزی وانکساری اتنی ہی شدید ہوتی ہے۔

اس بات میں کوئی شک وشبہہ نہیں کہ انبیاے کرام اور رسولانِ عظام تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر دعا کا حق ادا کرنے والے تھے اور اپنے تمام حالات اور معاملات میں اس کا اہتمام کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی اس صفت کی تعریف بیان فرمائی اور مختلف حالات اور متنوع مواقع پر کی گئی ان کی دعاؤں کا ذکر بھی فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی عظمتِ شان کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ۭ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ○ (الانبیاء:90)

"بے شک وہ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں شوق اور خوف سے پکارتے تھے، اور وہ ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔"

رمضان المبارک ہی میں غزوۂ بدر پیش آیا، اس موقع پر محبوب رب العالمین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ رب العزت میں دعا کی:

اللَّهُمَّ! أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي. اللَّهُمَّ! آتِ مَا وَعَدْتَنِي. اللَّهُمَّ! إِنْ تُهْلِكْ هَذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ. (مسلم شریف)

"اے اللہ! جو وعدہ تو نے مجھ سے فرمایا ہے، اسے میرے حق میں پورا فرما۔ اے اللہ! جو چیز تو نے مجھ سے وعدہ کی ہے، وہ مجھے عطا فرما۔ اے اللہ! اگر تو اہلِ اسلام کی اس جماعت کو ہلاک کر دے گا تو زمین میں تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔"

لہٰذا اہلِ ایمان کو چاہیے کہ وہ اس عبادت (دعا) کا خاص اہتمام کریں، اور اس بابرکت مہینے کے اوقات کو غنیمت جانتے ہوئے اللہ کی طرف متوجہ ہوں، اور دعا کے شرائط و آداب کا خیال رکھتے ہوئے، امید اور خوف کے ساتھ خوب گڑگڑا کر رب تعالیٰ سے طلب کریں اور امید رکھیں کہ اللہ جل شانہ کے نزدیک ان کا شمار ثواب پانے والوں اور جہنم سے نجات پانے والوں میں ہوگا، بے شک اللہ تعالیٰ اس ماہِ مقدس کی برکتوں کے طفیل بہت سے لوگوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کرتا ہے اور یہ سلسلہ رمضان کی ہر رات جاری رہتا ہے۔

-*-*-*-*-

آج بھارت کے موجودہ حالات میں مسلمانوں، خاص طور پر دینی مدارس اور مساجد کو جن کٹھن آزمائشوں کا سامنا ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ کہیں اوقاف کی املاک کا تحفظ ایک مسئلہ بنا ہوا ہے تو کہیں مدارس کے نصاب اور وجود پر سوالات اٹھائے جا رہے ہیں۔ آئے دن نت نئی قانون سازی اور انتظامیہ کے رویوں نے پوری قوم کو اضطراب اور بے چینی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ان حالات میں یہ سوال بہت اہم ہو جاتا ہے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟

اسلام ایک متوازن دین ہے جو نہ تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کی تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی اسباب و ذرائع سے کٹ کر صرف غیبی مدد کے انتظار کا درس دیتا ہے۔ موجودہ بحران سے نکلنے کے لیے ہمیں "تدبیر" اور "توکل" دونوں بازوؤں کو استعمال کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو "دارالاسباب" بنایا ہے۔ جب ہم پر کوئی مشکل آتی ہے تو ہمارے لیے حکم ہے کہ ہم اس کے دفاع کے لیے تمام جائز دنیوی وسائل بروئے کار لائیں۔ یہ دور محض جذباتی نعرہ بازی کا نہیں قانونی جنگ کا ہے۔ مدارس اور مساجد کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ ہم ملکی آئین اور قانون کا گہرا شعور رکھیں، کچہریوں میں اپنے مقدمات کو مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کریں، کاغذات درست رکھیں اور قانونی ماہرین کی خدمات حاصل کریں، یہ سب "تدبیر" کے زمرے میں ہیں اور بہترین تدبیر اختیار کرنے کا ہمارے لیے واضح حکم موجود ہے۔ یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ نے جنگِ احد میں دو زرہیں پہنی تھیں اور ہجرت کے موقع پر غارِ ثور میں قیام فرمایا تھا، یہ واقعات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ احتیاطی تدابیر اور اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ توکل کا عین تقاضا ہے۔

لیکن.....! اور یہ ایک بہت بڑا "لیکن" ہے... اگر ہم صرف وکیلوں، عدالتوں، سیاسی لیڈروں اور اپنی عقل و دانش پر بھروسا کر بیٹھیں اور "مسبب الاسباب" سے ہمارا تعلق کمزور پڑ جائے، تو ناکامی ہمارا مقدر بن سکتی ہے۔ موجودہ حالات میں جہاں ظاہری اسباب بظاہر ہمارے خلاف نظر آ رہے ہیں، وہاں "دعا" ہی وہ ہتھیار ہے جو تقدیر کے فیصلوں کو بدلنے کی طاقت رکھتا ہے۔ بے شک قرآن کریم

میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی کامیابی کو اپنی نصرت کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مظلوم کی دعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ آج اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر ظلم ہو رہا ہے، تو ہمیں اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑانا ہوگا، نہ کہ مایوس ہو کر بیٹھ جانا ہوگا۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے حسنِ تدبیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا تو نصرتِ الٰہی سے کمزور وسائل کے باوجود انھیں ہر محاذ پر فتح مندی اور سرخروئی حاصل ہوئی۔ غزوۂ بدر میں مسلمان تعداد اور اسلحے میں کم تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے گڑگڑا کر دعا فرمائی اور رب العالمین نے حضور کی حمایت میں فرشتوں کی فوج زمین پر اتار دی۔

آج مدارس کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں تو یقین جانو کہ ان سازشوں کے تار و پود بکھیرنے والی ذات صرف اللہ جل شانہ کی ذات ہے۔ بادشاہوں اور حکمرانوں کے دل تو اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہیں، وہ جب چاہے انھیں پھیر دے۔ ہم عدالتوں میں بحث تو کر سکتے ہیں لیکن انصاف کی کرسی پر بیٹھے ہوئے جج کے دل میں رحم اور انصاف کے بیج بونا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ ہم بہترین قانون داں حضرات کی خدمات حاصل کر سکتے ہیں مگر ان کے دلائل کو مؤثر بنانا تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر منحصر ہے۔

مدارس کے اربابِ حل و عقد، علما و اساتذہ اور تمام مسلمانوں کو آج "قیامِ لیل" (راتوں کی عبادت) اور "قیامِ حق" (حق کے لیے سینہ سپر ہونا) دونوں کو ساتھ لے کر چلنے کی ضرورت ہے۔ ہمارا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ دن کے اجالے میں ہم بہترین شہری ہونے کا ثبوت دیں، اپنے اداروں کے کاغذات درست کریں، عدالتوں میں بہترین قانونی جنگ لڑیں، اور جمہوری طریقے سے اپنا دفاع کریں۔ لیکن جب رات کا اندھیرا چھا جائے، تو ہمارے مصلے بچھ جائیں اور ہم اپنے رب کے حضور اپنی بے بسی کا یوں اظہار کریں کہ:

"اے پروردگارِ عالم! ہم نے وہ سب کچھ کر لیا جو ہمارے بس میں تھا، ہمارے وکیلوں نے بحث کر لی، ہماری تنظیموں نے کوشش کر لی، لیکن نتیجہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اے اللہ! ہمارے مدارس تیرے دین کے قلعے ہیں، ان کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! ظالم کی تدبیر کو اسی پر لوٹا دے۔

اے اللہ! ہم تیرے کمزور اور ناتواں بندے ہیں۔ نہ ہماری عقل کامل ہے، نہ عمل پورا، نہ نیتوں میں خلوص، ہم سے قدم قدم پر غلطیاں ہوتی ہیں۔ یارب! ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اور شرمندہ دل کے ساتھ تیرے حضور جھکتے ہیں۔ ہمارے دلوں کی سختی کو نرمی میں تبدیل فرما، ہماری آنکھوں کو اپنی بارگاہ میں قبول ہونے والے آنسو عطا فرما، ہمیں سچی توبہ کی توفیق دے، ہمیں اتنا حوصلہ دے کہ ہم اپنی اصلاح کر سکیں اور تیری رضا کے راستے پر چل سکیں۔

اے اللہ! آج کے ان حالات میں جب دل بے چین ہیں، رشتے کمزور پڑتے جا رہے ہیں، سچ دب رہا ہے اور ظلم کھل کر سامنے آ رہا ہے، تو ہی ہمارا سہارا ہے۔ ہمیں حق کو پہچاننے کی سمجھ عطا فرما، باطل کے فریب سے بچا، ہمارے دلوں میں صبر، برداشت اور ایک دوسرے کے لیے رحم پیدا فرما۔ جو مظلوم ہیں ان کی مدد فرما، جو پریشان ہیں ان کے لیے آسانیاں پیدا کر، اور ہمیں ایسا انسان بنا دے جو نفرت نہیں بلکہ خیر بانٹے۔"

یاد رکھیے! جو قوم اسباب کے ساتھ ساتھ مصلے پر بھی زندہ رہتی ہے، اسے دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ آج ہمیں مایوسی کے بجائے رجوع الی اللہ اور دانش مندانہ قانونی جدوجہد کا راستہ اپنانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مدارس، مساجد اور ہماری نسلوں کے ایمان و جان کی حفاظت فرمائے اور ہمیں اس آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ ■■■

تفہیم قرآن

سلام کے آداب واحکام

محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

اللہ رب العزت سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۸۶ -۸۷ میں ارشاد فرماتا ہے: وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ۝۸۶ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ۝۸۷۔

ترجمہ: اور جب تمھیں کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو اس سے بہتر الفاظ میں جواب دو، یا وہی کہہ دو، بے شک اللہ ہر چیز کا محاسبہ فرمانے والا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ضرور تمھیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا، جس میں کوئی شبہ نہیں، اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔

خلاصۂ آیات: تحیت حیات سے بنا ہے، حیات کا معنی ہے: زندگی، اور تحیت کا معنی ہے: زندگی کی دعا دینا، اور کسی کو حیاك الله کہنا، ہر زمانے میں تحیت کے لیے مختلف کلمات بولے جاتے رہے، دور جاہلیت میں صباح الخیر، حییتم، وغیرہ کلمات بولے جاتے تھے، جب کہ دور جدید میں صبح بخیر، گڈ مارننگ، آداب وغیرہ بولے جاتے ہیں، لیکن یہ تمام کلمات تحیت کے لیے ناکافی ہیں، کیوں کہ قرآن وحدیث میں تحیت کے لیے جو کلمات ذکر کیے گئے وہ ہیں: السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً ۔[سورۂ نور: 61]

جب تم گھروں میں جاؤ تو اپنے اہل کو سلام کرو، اللہ کی طرف سے بابرکت تحیت ہے

مزید فرمایا: دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۠ ۝۱۰

[سورۂ یونس:10]

جنت میں ان کی دعا ہوگی کہ اے اللہ! تیرے لیے پاکی ہے، اور جنت میں ان کی تحیت سلام ہوگی، اور ان کی گفتگو کا اختتام یہ کلمہ ہوگا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

ان آیات کے مطابق تحیت کے لیے سلام ضروری ہے، سلام کے بغیر تحیت پوری نہیں ہوتی، یہی انبیا اور ملائکہ کا سلام ہے، یہی اہل جنت کی تحیت ہے، لہٰذا اسلام کو عام کیا جائے، اور یہ بھی واضح رہے کہ جس قدر کلمات سلام میں اضافہ ہوگا، اسی قدر ثواب میں اضافہ ہوگا، چناں چہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نبی کریم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے، اور کہا: السلام علیکم۔ حضور ﷺ نے جواب دیا، وہ بیٹھ گئے، تو آپ نے فرمایا: دس، یعنی ان کے لیے دس نیکیاں ہیں۔

پھر دوسرے صحابی حاضر ہوئے، اور کہا: السلام علیکم ورحمت اللہ۔ حضور ﷺ نے جواب دیا، وہ بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: بیس، یعنی ان کے لیے بیس نیکیاں ہیں۔

پھر تیسرے صحابی حاضر بارگاہ ہوئے اور کہا: السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے ان کو جواب دیا وہ بھی بیٹھ گئے، حضور ﷺ نے فرمایا: تیس، یعنی ان کے لیے تیس نیکیاں ہیں۔ (سنن ترمذی، کتاب الاستئذان، حدیث نمبر:2905)

اس حدیث پاک کے مطابق سب سے افضل سلام ہے: السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ۔ یہی اسلامی تحیت ہے اور یہی مسنون سلام ہے۔ ان دنوں ایک نیا سلام رواج پا رہا

ہے، اور وہ ہے: السلام علیکم ورحمت اللہ تعالیٰ وبرکاتہ، قرآن کریم میں رَحْمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ آیا ہے، التحیات میں بھی ورحمت اللہ وبرکاتہ منقول ہے، کتب احادیث میں جو سلام مذکور ہے اس میں کہیں بھی کلمۂ جلالت کے ساتھ تعالیٰ کا اضافہ نہیں ہے، لہٰذا کلمۂ جلالت کے ساتھ تعالیٰ کا اضافہ نہ کیا جائے، اور معروف ومسنون السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ ہی کو عام کیا جائے۔

سلام کی فضیلت میں بہت سے احادیث وارد ہوئی ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱)-عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَيُّ الإِسْلاَمِ خَيْرٌ قَالَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَعَلَى مَنْ لَمْ تَعْرِفْ۔ (صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، حدیث نمبر:6308)

حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سائل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اسلام میں سب سے بہترین عمل کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اسلام میں سب سے بہترین عمل یہ ہے کہ تم کھانا کھلاؤ، اور اسے بھی سلام کرو جسے پہچانتے ہو، اور اسے بھی کرو جسے نہیں پہچانتے ہو۔

یعنی اسلام کا بہترین عمل یہ ہے کہ کسی بھوکے کو کھانا کھلایا جائے، اور بلا تفریق ہر ایک کو سلام کیا جائے۔

(۲)-عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: لاَ يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلاَثٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُصُدُّ هَذَا وَيُصُدُّ هَذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلاَمِ۔ (صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، حدیث نمبر:6309)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ مدت کے لیے قطع تعلق کر لے، اس طور پر کہ یہ اس سے اعراض کرے اور وہ اس سے، اور ان دونوں میں زیادہ بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرے۔

اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کسی مسلمان کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ ذاتی رنجش، آپسی اختلاف یا دنیاوی مفاد کی خاطر اپنے مسلمان بھائی سے تین دن تک قطع تعلق کر لے، اگر کبھی اس طرح کا معاملہ ہو جائے تو تین دن مکمل ہونے سے پہلے آپسی اختلاف ختم کر کے ملاقات کر لے، اس ملاقات سے عزت میں کمی نہیں ہوگی، بلکہ ایسا بندہ اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہوگا جو سلام میں پہلے کرے، اور ملاقات کے لیے ہاتھ بڑھائے۔

ویسے یہ نوبت اسی وقت آتی ہے جب بندہ سلام کی اہمیت نہیں سمجھتا، سلام کی فضیلت واہمیت کیا ہے درج ذیل حدیث میں دیکھیں:

(۳)-عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لاَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا وَلاَ تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا أَلاَ أَدُلُّكُمْ عَلَى أَمْرٍ إِذَا أَنْتُمْ فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ أَفْشُوا السَّلاَمَ بَيْنَكُمْ۔

(سنن ترمذی، کتاب الاستئذان، حدیث نمبر:2904)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم مومن نہ ہو جاؤ، اور تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتادوں کہ جس کی بدولت تم آپس میں محبت کرنے لگو، آپس میں سلام کو عام کرو۔

۲- سلام میں پہل کرنا سنت ہے، لہٰذا بلا تفریق ہر شخص کو سلام کیا جائے، خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، لیکن سلام کے آداب سے یہ ہے کہ چھوٹا، بڑے کو سلام کرے، سوار، پیدل کو کرے، پیدل، بیٹھے کو کرے، قلیل، کثیر کو کرے، یعنی چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے۔

۳- جب کوئی سلام کرے تو اس کا جواب دینا واجب ہے، جواب میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ جس لفظ سے سلام کیا جائے اس سے بہتر الفاظ میں جواب دے، یہ نہ ہو سکے تو کم از کم انھی الفاظ میں جواب دیا جائے، اس سے کم پر اکتفا نہ کیا جائے، یعنی اگر کوئی السلام علیکم کہے، تو جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے۔

اور اگر کوئی السلام علیکم ورحمت اللہ کہے، تو جواب میں وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ کہے۔ اور اگر کوئی السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ کہے، تو جواب میں بھی وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ کہے، اس پر مزید اضافہ نہ کرے، کہ یہی سلام کا اختتام ہے۔

۴- سلام کا جواب سلام سے دینا ضروری ہے، بعض افراد سرے سے جواب نہیں دیتے، کچھ افراد جواب میں ہاتھ یا سر ہلا دیتے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو سلام کے جواب میں خیریت پوچھ لیتے ہیں، یہ تمام طریقے خلاف خلاف سنت اور ناجائز ہیں، ایسے ہی افراد کے لیے تنبیہ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ۝۸۷۔

بے شک اللہ ہر چیز کا محاسبہ فرمانے والا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ضرور تمھیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا، جس میں کوئی شبہ نہیں، اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔

۵- بعض مواقع پر سلام کرنا منع ہے، اگر کوئی ان حالات میں سلام کرے تو جواب دینا ضروری نہیں، اور وہ حالات یہ ہیں:

تلاوت قرآن، ذکر و دعا، درود و سلام، اذان و اقامت، خطبہ جمعہ و عیدین، وعظ و نصیحت اور تعلیم و تعلم کے دوران سلام نہ کیا جائے، یوں ہی جماعت کے انتظار میں بیٹھے حاضرین مسجد کو سلام نہ کیا جائے۔ اسی طرح جو کھانے میں مصروف ہو، قضاے حاجت کے لیے گیا ہو، یا غسل خانے میں ہو اسے سلام نہ کیا جائے کہ سلام کا وقت نہیں۔ یوں ہی اگر کوئی شطرنج کھیل رہا ہو، یا علانیہ فسق کرتا ہو، اسے سلام نہ کیا جائے، تاکہ اسے نصیحت ملے اور فسق سے توبہ کرے۔ [خلاصہ از بہار شریعت، حصہ 16، سلام کا بیان]

اللہ رب العزت سلام کو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ ■■■

(ص:17 کا بقیہ)- کہ بقیہ ہر سہ اکابر کی اعمار قبلہ عالم گولڑوی سے زیادہ تھیں جب کہ اس وقت آپ کی عمر شریف محض 32 سال تھی اور آپ عین شباب کے عالم میں تھے.

یہاں مصنف نے آپ کو عالم علوم دینی و روحانی کے بہ جائے دینی و یقینی کہہ کر علومِ روحانیہ کو یقینی سے تعبیر کیا جو ان کی رفعت منزلت پر کافی دال ہیں.

یہاں آپ کا اسم گرامی مہر شاہ تحریر کیا گیا جو اس بات کا عکاس ہے کہ ابھی آپ کے مرشد گرامی نے نام نامی تبدیل نہ کیا تھا.... ملفوظات مہریہ میں مرقوم ہے کہ ایک روز جب قبلہ عالم درگاہ مقدسہ سیال شریف سے واپسی کی اجازت چاہنے کا ارادہ کیے تھے کہ عارف باللہ خواجہ سیالوی نے آپ کے اس خیال پر متوجہ ہو کر فرمایا ایک دن مہر علی شاہ بھی چلا جائے گا اور اس دن سے آپ کا نام مہر علی شاہ پڑ گیا ورنہ اس سے قبلہ آپ کا نام پیدائشی طور پر مہر شاہ رکھا گیا تھا اور وہی نام عوام و خواص میں متعارف تھا.

حاجی کی جگہ حاج استعمال کیا جو کہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس بات کا عکاس ہے کہ اگرچہ قبلہ عالم کا حج بیت اللہ تحریر کتاب سے دو سال پہلے معروف در عوام و خواص ہوا جو 1890ء میں کیا تھا مگر اس سے پہلے بھی آپ حج بیت اللہ سے مشرف ہوتے رہتے تھے جب ہی اسم فاعل کی جگہ اسم مبالغہ استعمال کیا گیا.

حصول خلافت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بعد ریاضت سال ہا سال کے آپ نے خرقہ خلافت کا حضرت خواجہ موصوف سے حاصل کیا اور بعد حصول خلافت کے حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے جا کر حج بیت اللہ ادا کر کے مدینہ منورہ میں زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔

الغرض یہ مختصر تذکرہ جو بہ ظاہر محض ایک صفحہ سے کچھ زائد سطور پر مشتمل ہے مگر اپنے اندر سمندر کی سی گہرائیاں لیے ہوئے ہے، مفکرین کو بہت سے نکات کی طرف راہنمائی کر رہا ہے اور دعوت فکر دے رہا۔ ■■■■■

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

آپ کے مسائل

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

مفتی محمد نظام الدین رضوی

رضاعی بہن سے نکاح جائز نہیں

سوال: زید نے ایک عورت کا دودھ پیا، اس وقت زید کے عمر دو سال تین ماہ کی تھی۔ تو کیا زید کا نکاح اس عورت کی بیٹی سے ہو سکتا ہے؟

الجواب الملفوظ:

زید نے دو سال تین ماہ کی عمر میں جس عورت کا دودھ پیا، اس کی لڑکی سے زید کا نکاح حلال نہیں کہ وہ لڑکی زید کی رضاعی بہن ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾

(القرآن الحکیم، سورۃ النساء:4، الآیۃ:23)

ترجمہ: حرام ہوئیں تم پر تمھاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم: يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ. (صحيح البخاري، ج:١، ص:٣٦٠، كتاب الشهادات/ باب الشهادة على الأنساب، مجلس البركات، مبارك فور)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں، وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم.

فوم پر سجدہ کرنے کا حکم

سوال: آج کل مسجدوں میں فرش پر قالین کے نیچے یا چٹائی کے نیچے فوم بچھا دیا جاتا ہے تو یہ جو فوم بچھا دیتے ہیں، تو اس کی وجہ سے کیا حکم ہوگا۔ سجدہ میں ناک کی ہڈی پیشانی وغیرہ کسی کی، کوئی کہتا ہے کہ ہماری ٹک جاتی ہے کوئی کہتا نہیں ٹکتی ہے۔ تو اس کا ایک عمومی حکم اگر بیان ہو جائے تو بہت اچھا ہوگا؛ کیونکہ بعض جگہوں پہ اس کا عام چلن اور رواج ہو گیا ہے۔

الجواب الملفوظ:

فوم پر سجدہ صحیح ہے یا نہیں، اس کے تعلق سے جواباً عرض ہے کہ:

فوم دو طرح کے ہوتے ہیں، پتلے بھی اور موٹے یعنی دبیز بھی۔ فوم پتلا ہے تو اس پر سجدہ کرنے سے پیشانی بھی اچھی طرح سے زمین پر ٹک جاتی ہے اور ناک بھی اس حد تک دب جاتی ہے کہ اس کے بعد مزید دباؤ تو دبنے کی گنجائش نہیں رہتی، تو ایسے فوم پر نماز پڑھنا، سجدہ کرنا جائز و درست ہے۔ اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔ سردیوں میں لوگ سردی سے بچنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کی اجازت ہے۔

دوسرا فوم جو دبیز اور موٹا ہوتا ہے، اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس پر سجدہ کریں تو ناک دبتی ہی جائے گی، یوں ہی

پیشانی دبتی ہی جائے گی، ایک جگہ پر اس کا ٹھہراؤ نہیں ہوپاتا ہے، اور زور دیں تو اور دبے۔ تو اس پر سجدہ کرنے سے سجدہ صحیح نہیں ہے، اور جب سجدہ صحیح نہیں ہے تو نماز بھی صحیح نہیں ہے۔ ایسے فوم کو ہرگز ہرگز استعمال نہ کیا جائے، یہ ناجائز ہے۔

خلاصہ یہ کہ فوم پتلا ہے تو اس پر سجدہ جائز ہے، نماز درست ہے۔ اور اگر فوم موٹا ہے، دبیز ہے، اس پر ناک اور پیشانی اچھی طرح سے نہیں جم پاتی ہے، تو اس پر سجدہ درست نہیں ہے، لہذا نماز بھی ناجائز ہے۔ بہار شریعت کا جو مسئلہ ہے وہ اپنی جگہ پر بجا و درست ہے کہ یہ احادیث سے ماخوذ ہے۔

(۱)عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم أمرت أن أسجد على سبعة أعظم، على الجبهة وأشار بيده على أنفه واليدين، والركبتين، وأطراف القدمين، ولا نكفت الثياب والشعر. (صحيح البخاري، ج:١، ص:١١٢، كتاب الأذان/ باب السجود على الأنف، مجلس البركات، مبارك فور)

(۲)عن أبي حميد الساعدي، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا سجد أمكن أنفه وجبهته من الأرض، ونحى يديه عن جنبيه، ووضع كفيه حذو منكبيه.(جامع الترمذي، ج:١، ص:٣٦، أبواب الصلاة/ باب ما جاء في السجود على الجبهة والأنف، مجلس البركات، مبارك فور)

(۲)عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ورأى رجلا يصلي ما يصيب أنفه من الأرض، فقال: لا صلاة لمن لا يصيب أنفه من الأرض ما يصيب الجبين. (سنن الدار قطني، ج:٢، ص:١٥٧، كتاب الصلاة/ باب وجوب وضع الجبهة والأنف، مؤسسة الرسالة، بيروت) والله تعالىٰ أعلم.

"موسم خراب ہے" کہنے کا حکم

سوال: جب بارش ہوتی ہے تو عام طور سے لوگ یہ بول دیتے ہیں کہ موسم خراب ہے تو کیا اس لفظ کا بولنا کہ "موسم خراب ہے"، شریعت میں کوئی اس کی گرفت تو نہیں ہے۔ عام طور سے ہم لوگوں کے طرف خوب بولا جاتا ہے بارش ہوتی ہے خاص کر جب دو تین دن بارش ہو جاتی ہے تو اور بھی لوگ زیادہ ہی بولتے ہیں کہ دو تین دن سے موسم بہت خراب ہے۔

الجواب الملفوظ:

عموماً جو بارش ہوتی ہے وہ بارشِ رحمت ہوتی ہے، جو اللہ کے فضل سے زمین پر نازل ہوتی ہے۔ اسے غیث اور برکت بھی کہا جاتا ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

مُطِرْنَا بِفَضْلِ الله وَرَحْمَتِهِ. رواه الإمامان البخاري ومسلم عن زيد بن خالد الجهني رضي الله تعالىٰ عنه.(صحيح البخاري، ج:١، ص:٢٥، كتاب الأذان/ باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم، مجلس البركات، مبارك فور، الصحيح مسلم، ج:١، ص:٥٩، كتاب الإيمان/ باب بيان كفر من قال: مطرنا بالنوء، مجلس البركات، مبارك فور)

ترجمہ: ہم پر اللہ کے فضل اور رحمت سے بارش ہوئی۔

اس کو خراب کہنا مناسب نہیں، اس سے احتراز کیا جائے تو اچھا ہے۔

ہاں! اگر بارش، بارشِ رحمت نہ ہو، اس کے ذریعے کوئی خطرناک سیلاب آجائے جو آبادیوں کو بہالے جائے، کھیتیوں کو برباد کردے، اس کے لیے کوئی اس طرح کا لفظ بولے تو یہ موافق حالات کہا جاسکتا ہے۔ لوگ بولتے ہیں، اس پر پابندی تو نہیں لگائی جاسکتی ہے، اصلاح کی جاسکتی ہے کہ اس سے بچیں تو اچھا ہے- والله تعالىٰ أعلم.

■■■

شواھد ونتائج

مہریات کے اولین مآخذ

محمد نعمان چشتی

قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ گیلانی گولڑوی قدس سرہ کے احوال پر دستیاب مآخذ میں سے اولیت کس کو حاصل ہے یہ قطعیت کے ساتھ دعوی نہیں کیا جاسکتا البتہ آپ کے حالات پر اولین مآخذ میں سے ایک اہم مآخذ "مولانا نواب علی جدون کی ڈائری "بھی ہے جو 1880ء سے 1914ء کے درمیانی عرصہ کے چیدہ چیدہ احوال فراہم کرتی ہے۔

ظن غالب ہے کہ پہلا مآخذ یہ ہی ہوگا کہ ابھی تک میری دانست میں 1880ء سے پہلے کا کوئی مآخذ نہیں بل کہ تمام ہی اس کے بعد کے ہیں۔

مرآۃ السالکین 1892ء میں جب کہ تذکرہ علماء ہندوستان 1897ء میں لکھا گیا۔۔۔ تاحال 1900ء سے قبل حضرت کے احوال ان تین مآخذ میں دستیاب ہوئے ان میں سے اولیت مولانا جدون کی ڈائری کو حاصل ہے۔1900ء میں معرکہ لاہور وقوع پذیر ہوا جس کے بعد آپ کی شہرت عرب وعجم میں پھیل گئی اور 1900ء کے بعد کئی مآخذ میں آپ کا ذکر خیر ملتا ہے۔

بل 1904ء میں حضرت کے احوال پر مستقل کتاب بہ نام "مجمع الکرامات "تحریر کی گئی جو برابر تین ہفتے تک قبلہ عالم نے ملاحظہ فرمائی اور پھر طبع کی اجازت مرحمت کی۔۔۔بعد ازاں حضرت کے احوال اور مدح وثناء میں چھوٹے بڑے کئی کتب و رسائل لکھے گئے جو سلسلہ آپ کے وصال تک جاری رہا۔

بعد از وصال بھی مہر منیر سے پہلے کئی کتب و رسائل تصنیف و تالیف کیے گئے جن میں 60 صفحات پر مشتمل سوانح مہریہ،60 صفحات پر مشتمل قبلہ عالم گولڑا شریف،حیاتِ وداں وغیرہ کے اسماسر فہرست ہیں۔

بہر کیف قبلہ عالم کے احوال کا اولین مآخذ ظن غالب کی بنا پر "مولانا نواب علی جدون کی ڈائری" غیر مطبوعہ کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

آئیے ذیل میں مولانا کی ڈائری کا کچھ جائزہ لیتے ہیں۔

یہ ڈائری 168 صفحات پر مشتمل ہے جس میں 1916ء تک کے احوال چیدہ چیدہ لکھے گئے ہیں جس میں مولانا جدون نے اپنے پیر و مرشد سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی کا نہایت عقیدت سے گاہے گاہے تذکرہ کیا ہے۔اپنے پیر و مرشد کے لیے لفظ "حضرت مقدس" استعمال کرتے ہیں۔

مولانا نے ڈائری نہایت ہی پر مغز انداز میں لکھی جس میں ایام و تواریخ کا بھی التزام کیا جس کے باعث ڈائری ایک تاریخی دستاویز بھی بن چکی ہے۔

مولانا کی ڈائری بتاتی ہے کہ حضرت گولڑوی ایک نہایت متحرک شیخ طریقت و جید عالم دین تھے جو جا بہ جا مریدین و متوسلین کی خواہش پر مختلف مقامات پر تشریف لے جاتے ۔۔۔۔بسا اوقات مجالسِ مناظرہ میں شرکت کرتے نیز اپنے اعزاء کی مجالس عرس میں بھی شریک ہوتے۔

ڈائری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت گولڑوی اور خواجہ محمد عبدالرحمن قادری چھوہروی رحمہ اللہ کے مابین باہمی الفت کا واسطہ تھا یہی سبب ہے کہ آپ جب ہزارہ کی طرف جاتے تو خواجہ چھوہروی سے ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے۔

مولانا کی ڈائری بتاتی ہے کہ حضرت گولڑوی گروہ وہابیہ

+92 3200412942

کی خوب تردید فرماتے اس بابت مولانا لکھتے ہیں:

19 نومبر 1908ء بعدِ عصر سے 21 نومبر 1908 وقت ظہر تک بابا فرید کے دروازے کے بہشتی ہونے کے بارے میں وعظ ہوتا رہا اور غیر مقلدین و وہابیوں کے خلاف تقریریں ہوتی رہیں۔ حضرت پیر صاحب نے فرمایا: مجھے کوئی گالیاں دیتا رہے تو غصہ نہیں آتا مگر میرے پیر کو کوئی گالی دے تو غصہ آتا ہے نیز فرمایا غیر مقلدین کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

مولانا کی ڈائری کے مطابق حضرت گولڑوی 6 مرتبہ ہزارہ تشریف لے گئے۔۔۔اس میں حضرت کے مباحثہ لاہور کی بابت بھی اجمالا ذکر کیا گیا ہے کہ مولانا خود بھی اس مباحثہ میں حضرت کے ہم راہ لاہور میں رہے اور اس مباحثہ کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ماہ نامہ کاروان قمر میں 1999ء کو اس ڈائری کا کچھ حصہ شائع کیا جاچکا ہے جو کہ حضرت گولڑوی کے متعلق ہے۔

شیخ الاسلام والمسلمین پیر مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ کے احوال پر دستیاب مآخذ میں سے دوسرا اہم مآخذ 182 صفحات پر مشتمل "مرآۃ السالکین فی احوال الکاملین" ہے جو 1892ء میں خواجہ محمد امین چکوڑوی رحمہ اللہ کے ایماء پر سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے مشائخ کے احوال پر مولانا امام الدین گجراتی چشتی نظامی رحمہ اللہ نے تحریر کیا۔

"مرآۃ السالکین".....کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس پر اکابر چشتی کی تصدیقات ثبت کی گئیں ہیں اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ کی تصدیق اس کتاب کو حضرت کے احوال پر ایک مستند مآخذ بناتا ہے۔ کتاب کے اختتام پر اکابر چشت کی تقاریظ و تصدیقات، تواریخ ہائے تحریر اور نقشہ ہائے تواریخ اعراسِ اکابرِ چشت بھی شامل کیا گیا ہے.

مصنف کا طرز تحریر کیا ہے اس بارے میں مصنف خود لکھتے ہیں:

اس ذرہ بے مقدار کو مفت سے خیال تھا کہ کوئی ایسی کتاب اردو زبان میں تالیف کی جائے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خواجہ خواجگان مرشدی و مولائی خواجہ شمس الدین سیالوی رضی اللہ عنہ تک حالات درج ہوں اور ہر ایک کامل کے تذکرے میں اس کے مولد و مدفن اور تاریخ ولادت و وفات کا پورا حال لکھا جائے اور مشہور خلفا کا تذکرہ بھی مرقوم ہو.

مصنف کتاب نے اپنے پیر و مرشد قبلہ عارفاں تاجِ اولیاء خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ تک سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مشائخ کے احوال تحریر کرنے کے بعد لکھا کہ:

"حضرت خواجہ سیالوی کے چار خلیفہ ایسے ہیں کہ جن سے اس زمانہ میں ہزارو بندگان خدا کو ہدایت ہو رہی ہے اور ان کا نام پر محفل میں بڑی تعظیم سے لیا جاتا ہے".

اس قدر تحریر کرنے کے بعد ان چار خلفاء کا تذکرہ بالترتیب یوں تحریر کیا:

خواجہ سید غلام حیدر شاہ صاحب جلال پوری رحمہ اللہ

خواجہ معظم الدین معظم آبادی رحمہ اللہ

خواجہ محمد امین چکوڑوی رحمہ اللہ

خواجہ سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ

ایک صفحہ سے کچھ زائد حصہ پر مشتمل تذکرہ قبلہ عالم گولڑوی میں آپ کے روحانی مقام پر خوب روشنی ڈالی گئی..... جن میں آپ کے حلقہ ارادت، حصول خلافت، ارادت مندوں کی کیفیات قلبی اور منازل سلوک پر اجمالاً روشنی ڈالی گئی ہے جب کہ آخر میں آپ کا سلسلہ نسب بھی تحریر کیا گیا ہے.

قبلہ عالم کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے ہیں:

"چوتھے خلیفہ حضرت خواجہ سیالوی کے عالم علومِ دینی و یقینی حاج الحرمین الشریفین معارف و حقائق دست گاہ پیر مہر شاہ گولڑوی دام ظلہ".

حضرت گولڑہ شریف کو چوتھے نمبر پر رکھنے کا سبب غالب گمان کے مطابق آپ کی عمر ہوگی۔۔(باقی ص: 13 پر)

فکرامروز

اسلاموفوبیاکی توسیع....اسباب وعلل

محمد اختر رضا امجدی

دور حاضر میں اسلاموفوبیا"Islamophobia" نے جتنا نقصان مسلمانوں کی جان، مال، اور عزت وآبرو کو پہنچایا ہے، شاید ہی کسی اور واقعے یا حادثے نے پہنچایا ہو۔ بلکہ یوں کہوں تو بجا ہوگا کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہونے والی جملہ سازشیں، ناروا سلوک، مسلماتِ اسلام پر سوالیہ نشان، عورتوں کی آزادی اور ان کے مابین حقِ مساوات کے نام پر عریانیت کو بڑھاوا دینا، میرا جسم میری مرضی جیسے فحش نعروں کی اوچھی حرکت، نسل کشی، قتل وغارت گری اور مسلمانوں کے ساتھ امتیازی رویہ کا اظہاریہ، قومِ مسلم کو شکوک و شبہات کی نظروں سے دیکھنا، دہشت گردی کو اسلام کے ساتھ مختص کر کے پیش کرنا، دیگروں کو بڑی سے بڑی دہشت گردی میں ملوث ہونے کے باوجود مجرم اور مسلمانوں کو ہلکے سے ہلکے جرم کو ٹیرارزیم قرار دینے میں ذرا بھی تامل نہ کرنا، بلکہ سارے حوادثات وواقعات جو آئے دن مسلمانوں کے ساتھ پیش آرہے ہیں، سب کے سب اسی اسلاموفوبیا"Islamophobia" کے نتائج ہیں، جو کھل کر سامنے آرہے ہیں۔

ملمع سازوں نے حقیقت پر جھوٹ اور مکر وفریب کی اس درجہ ملمع سازی اور تصنع کاری کر ڈالی ہے، کہ حقیقت حجاب اور پردوں کی پرت تلے چھپ گئی ہے۔ اور اس کا انکشاف تو بُعد اس طرف لوگوں کا رجحان بھی ناپدید ہے۔ اسلام کی صورت کو اس قدر مسخ کر کے نظر نوازِ عام وخاص کیا گیا اور کیا جارہا ہے، کہ اس کی حقیقی صورت سے لوگوں نے عدول کر کے جھوٹ اور مکروفریب کی ملمع زدہ عکس اور چھوی کو ہی حقیقت سمجھ لیا ہے۔ اسی وہمِ فاسد کے سبب اسلاموفوبیا "Islamophobia" کو تقویت مل رہی ہے، اور سازشیوں کی شازشیں رنگ لارہی ہیں۔

اسلام کے خلاف جتنی بھی خرافات ہوتی ہیں، وہ حقیقت سے کوسوں دور ہیں، چشم پوشی اور حقیقت کوشی کا اس سے بڑھ کر نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ بلکہ حقیقت تو بالکل ہی ان تمام مذموم بیانیوں کے الٹ ہے۔ اسلام ایک ایسا مذھب ہے، جو امن کا درس دیتا ہے۔ مساوات اور حقوق کا پاسدار و پابند کر کے رکھتا ہے۔ بلکہ اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے سب سے پہلے مساوات کا درس اور عورتوں کو ان کا حق دیا۔ ٹیرارزم کے ساتھ تو اسلام کا دور دور تک کوئی ناطہ نہیں ہے، پھر بھی اسے اسلام ہی کے سر مڑھا جاتا ہے۔ المیہ تو یہ ہے کہ لوگ جہاد کو غلط رخ دے کر پیش کرتے ہیں، جبکہ دنیا کے ہر قانون میں "Law Of Defense" ہے اور جہاد اسی مدافعتی نظام کا ایک حقیقی مرقع ہے۔ ٹیرارزم اور فساد فی الارض کی ساری قسموں کا اسلام کھل کر مذمت اور اظہارِ برأت کرتا ہے۔ سو اس کا الزام مسلمانوں پر دھرنا کہاں سے قرینِ صواب ہو؟ اسی طرح مسلمانوں کے دیگر مسلمات اور ان کے داخلی مسائل کو مذموم، مفہوم اخذ کر کے غلط طرق پر بیان کرنا کیا یہی انصاف ہے؟

افسوس ہے ایسے انصاف پر۔!

اسلاموفوبیا"Islamophobia" کی خلیج کو وسعت بخشنے میں چند مرکزی کردار۔!

ا۔ یہود ونصاریٰ اور کفار ومستشرقین کہ ان کا مقصد اپنی اسلام دشمنی کی بنیاد پر اسلاموفوبیا "Islamophobia" کو فروغ دے کر اقدارِ اسلام کو پائے مال اور اسلام کی مثبت صورت کو مسخ کرنا ہے۔

2۔ مغربی اور مشرقی میڈیا کا منفی کردار اسلاموفوبیا "Islamophobia" کو فروغ دینے میں یوں ہے کہ زر خرید میڈیا مسلمانوں کے چھوٹے سے چھوٹے ردِّعمل کو بھی ٹیرارزم سے جوڑ کر پیش کرتی ہے، جبکہ اسی میڈیا کے ذریعہ دوسرے مذاہب کے شدت پسندوں کو انفرادی مجرم کہا جاتا ہے۔

متعلم جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئویوپی۔ +977 981-4417319

3۔ سیاسی مفادات کے پیشِ نظر سیاسی پارٹیاں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور اشتعال انگیز بیانیوں کے ذریعہ اکثریتی ووٹ بینک کو متحرک کرنے کی کوشش میں اسلاموفوبیا "Islamophobia" کو بڑھاوا دیتی ہیں۔

4۔ جہالت اور عدم واقفیت کی بنا پر مغربی بلکہ بعض مشرقی معاشروں میں اکثر لوگ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے اسلاموفوبیا "Islamophobia" کا شکار ہوجاتے ہیں۔

5۔ چند شدت پسند گروہوں کی انتہا پسندانہ کارروائیوں کو دین اسلام کی طرف منسوب کرکے اسلاموفوبیا کو فروغ دیا جارہا ہے۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سارے ایسے اسباب ہیں جو اسلاموفوبیا "Islamophobia" کو فروغ دیتے ہیں۔ جس سے اسلام خلاف عناصر کی مقصد برآری ہوتی ہے۔ اس طور پر کہ مسلمان یا تو سیکولرازم کا لبادہ اوڑھ کر مغربی تہذیب و تمدن کو اپنے مذہب میں رچا بسالے، یا پھر اسلام منافرت کا شکار ہوکر اپنے دین و مذہب سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے۔ وگرنہ دوسری طرف غیر اسلامی عناصر اسلاموفوبیا "Islamophobia" سے مشتعل ہو کر اسلام کی ساکھ کو نقصان پہنچانے میں ہمہ وقت برسرِپیکار تو ہیں ہی۔!

الحاصل اسلام پر تبرا کرنے والوں، اور اسلاموفوبیا "Islamophobia" کے شکار ہونے والوں سے کہنا یہی ہے کہ پہلے اسلام کی تعلیمات کو سمجھیں امید قوی ہے کہ حقائق پر چڑھے فریب کے سارے پردے چاک ہوجائیں گے، اور مکر و فریب کی ساری دھند چھنٹ جائے گی۔ رہی بات مخالفین اور دشمنان اسلام کی تو ان کا کوئی علاج نہیں، سوائے اس کے کہ وہ اپنی بغض و عداوت کے سمندر میں ڈبکی لگاتے لگاتے ڈوب مریں۔ کیوں کہ بربنائے دشمنی اور ہٹ دھرمی کی جانے والی مخالفت کا کوئی علاج نہیں۔ ہاں عوام کے لئے ایک تجویز ضرور ہے کہ ان سے احتراز لازمی پکڑیں کہ ایسے لوگ "مفسدین فی الارض" کی قبیل سے ہیں، اور ان سے بچنے ہی میں عافیت ہے۔

☆☆☆

(ص:24 کا بقیہ)-آپ کا معمول تھا کہ بعد سماع قوالوں کو کچھ نہ کچھ ضرور نوازا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب لونڈی کے ذریعہ اہل خانہ نے یہ کہلوا بھیجا کہ گھر میں قوالوں کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے تو آپ نے قوالوں سے کہا کہ اس لونڈی ہی کو لے جاؤ جسے اسی وقت بعض مریدوں نے قوالوں سے کچھ داموں کے عوض واپس حاصل کرلیا اور خانقاہ میں بھیج دیا۔

حضور شیخ العالم قدس سرہ کے چند اقوال زریں:

1۔ علم وہ ہے جس سے خدا کی معرفت حاصل ہو۔ 2- صوفی کے پاس دو روٹیاں ہو تو وہ ایک روٹی اپنے پڑوسی کو دے دیتا ہے۔ 3- صوفی غرور و تکبر کو ختم کرکے عجز و انکساری کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔ 4- طہارت اور پاکیزگی سے صحت مند معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ 5۔ ایثار، عفو درگزر، احسان اور مروت جب صوفی کی زندگی بن جاتی ہے تو امن و امان قائم ہوتا ہے۔

سوانح شیخ العالم (ص:۱۹۹) میں خزینۃ الاصفیاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کے ہزاروں مشہور خلفا ہوئے جو دنیا کے تمام ممالک میں آپ کے سلسلے کو لے کر پہنچے۔ لیکن "بزم صوفیہ" (ص:۵۴۸) میں ہے کہ شیخ العالم کے خلفا میں آپ کے صاحب زادے مخدوم شاہ عارف احمد قدس سرہ کے علاوہ صرف میاں قدوہ کا ہی ذکر ملتا ہے اور ان کے علاوہ کسی کی خلافت کی صراحت نہیں ملتی۔ ہاں! بہت سارے مریدین ایسے تھے جو بڑے درجے کے بزرگ تھے، لیکن خلافت یافتہ نہ تھے۔

شیخ العالم قدس سرہ کے بعد ان کے صاحب زادے مخدوم عارف احمد جانشین ہوئے، ان کے بعد ان کے صاحب زادے شیخ محمد بن عارف قدس سرہ ہوئے جن کے خلیفہ شیخ عبد القدوس گنگوہی کے ذریعہ حضور شیخ العالم کا فیض سارے جہاں میں عام ہوا۔ اس وقت اس خانقاہ کے اٹھارہویں سجادہ نشین حضرت شاہ عمار احمد احمدی عرف نیر میاں ہیں جو دین متین کی خدمت میں نہایت متحرک و فعال کردار ادا فرمارہے ہیں۔ اللہ ان کے ذریعہ اس خانقاہ کے فیض کو عام کرے، آمین۔ ☆

شعاعیں

فجر کی جماعت کب قائم کریں؟

عمران رضا عطاری مدنی [بنارس]

جماعت کے معاملے میں تکثیر کو بڑی اہمیت حاصل ہے، کہ جماعت اس وقت قائم کی جائے جب لوگوں کے لیے آسانی ہو اور زیادہ لوگ جمع ہو سکیں!

فجر کے متعلق متعدّد احادیث ہیں جن میں اس بات کا حکم موجود ہے کہ فجر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جب ہلکی پھلکی روشنی فضا میں پھیلنے لگے، چہرے کچھ پہچانے جانے لگیں، راستے واضح ہونا شروع ہو جائیں!

اس وقت لوگوں کو جمع ہونا، اور جماعت کے شامل ہونا بھی قدر آسان ہو جاتا ہے، اس کو عربی زبان میں "اسفار" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کثیر جماعت کا بڑا خیال رکھتے تھے، تاکہ زیادہ زیادہ افراد جماعت کی برکات حاصل کر سکیں!

فجر کے متعلق احادیث دیکھیں!

«أسفروا بصلاة الفجر؛ فإنّه أعظم للأجر».

نماز فجر روشنی کر کے پڑھو کہ اس میں زیادہ اجر یعنی ثواب ہے۔[مسند البزار، ج:12، ص:235، حدیث:6244]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ سلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:«يا بلال! نوّر بصلاة الصبح حتى يبصر القوم مواقع نبلهم من الإسفار».اے بلال! صبح کی نماز روشنی کر کے پڑھو حتی کہ لوگ روشنی کی وجہ سے تیر گرنے کی جگہ کو بھی دیکھ لیں۔

[مسند أبی داود الطیالسی، ص:129، حدیث:961]

عن عبد الرحمن بن يزيد قال: كنا نصلّي مع ابن مسعود رضي الله عنه فكان يسفر بصلاة الصبح.

حضرت عبد الرحمن بن یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، آپ صبح کی نماز یعنی نماز فجر روشن کر کے پڑھتے۔

[شرح معانی الآثار، ج:1، ص:235، حدیث:1060، کتاب الصلاۃ، باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر. إلخ]

اس کے علاوہ متعدّد احادیث ہیں جس میں اس بات کو بار بار بیان کیا گیا ہے کہ نماز فجر روشنی کر کے پڑھنا رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار بھی رہا اور آپ نے یہی حکم بھی ارشاد فرمایا، صحابہ و تابعین علیہم الرضوان بھی اسی پر عامل رہے۔

علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(وَنُدِبَ تَأْخِيرُ الْفَجْرِ) أَيْ يُسْتَحَبُّ تَأْخِيرُ الْفَجْرِ وَلَا يُؤَخِّرُهَا بِحَيْثُ يَقَعُ الشَّكُّ فِي طُلُوعِ الشَّمْسِ بَلْ يُسْفِرُ بِهَا بِحَيْثُ لَوْ ظَهَرَ فَسَادُ صَلَاتِهِ يُمْكِنُهُ أَنْ يُعِيدَهَا فِي الْوَقْتِ بِقِرَاءَةٍ مُسْتَحَبَّةٍ ....وَلِأَنَّ فِي الْإِسْفَارِ تَكْثِيرَ الْجَمَاعَةِ وَتَوْسِيعَ الْحَالِ عَلَى النَّائِمِ وَالضَّعِيفِ فِي إدْرَاكِ فَضْلِ الْجَمَاعَةِ. [تبیین الحقائق، ج:1، ص:82، کتاب الصلاۃ باب الاوقات التی مستحب فیھا الصلاۃ، طبع : قاھرہ]

فجر میں تاخیر کرنا مندوب ہے یعنی فجر کی نماز کچھ تاخیر کر کے پڑھنا مستحب ہے ہاں اتنا مخر نہ کرے کہ سورج طلوع ہونے

میں شک پڑ جائے بلکہ روشنی میں اس طرح پڑھے کہ اگر نماز کا فاسد ہونا ظاہر ہو تو ممکن ہو کہ قرات مستحبہ کے ساتھ وقت کے اندر نماز کا اعادہ کیا جا سکے۔... اسفار یعنی روشنی میں نمازِ فجر ادا کرنے میں جماعت کی کثرت حاصل ہوتی ہے، اور اس میں سونے والوں اور کمزور لوگوں کی رعایت بھی ہے تاکہ وہ جماعت کی فضیلت پا سکیں۔

امام اہل سنت امام احمد رضا قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ فتاوی رضویہ میں فجر کے مستحب وقت کے متعلق لکھتے ہیں:

آج صبح کا جتنا وقت ہے اس کا نصف اول چھوڑ کر نصف ثانی سے وقت مستحب شروع ہوتا ہے کمافی البحر الرائق وغیرہ اور اس میں بھی جس قدر تاخیر ہو افضل ہے۔ اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر (فجر کو خُوب روشن کرو کیونکہ اس میں زیادہ اجر ہے۔ ت) مگر نہ اس قدر کہ طلوع میں شبہہ پڑ جائے، اتنا وقت رہنا اولٰی کہ اگر نماز میں کوئی فساد ہو تو وقت میں مسنون طور پر اعادہ ہو سکے۔ واللہ تعالٰی اعلم

[فتاوٰی رضویہ، ج:4، ص:248، طبع:امام احمد رضا اکیڈمی]

ایک دوسرے فتوے میں رقم طراز ہیں:

ہمارے علما کے نزدیک مردوں کو دوامًا ہر زمان و ہر مکان میں اسفارِ فجر یعنی جب صبح خوب روشن ہو جائے نماز پڑھنا سنّت ہے سوا یوم النحر کے کہ حجاج کو اُس روز مزدلفہ میں تغلیس چاہیے۔ پھر احادیث اسفار نقل کر کے کہتے ہیں:

اور پُر ظاہر کہ یہ بات اُس وقت حاصل ہوگی جب صبح خوب روشن ہو جائے گی اور جب اذان ایسے وقت ہوگی تو نماز اس سے بھی زیادہ روشنی میں ہوگی۔... اور حکمت فقہی اس باب میں یہ ہے کہ اسفار میں تکثیر جماعت ہے، جو شارع کو مطلوب و محبوب، اور تغلیس میں تقلیل اور لوگوں کو مشقت میں ڈالنا، اور یہ دونوں ناپسند و مکروہ، اسی لیے امام کو تخفیف صلاۃ اور کبیر و ضعیف و مریض و حاجت مند کی مراعات کا حکم فرمایا۔ [فتاوٰی رضویہ، ج:4، ص:251 تا 253، طبع:امام احمد رضا اکیڈمی]

فی زمانہ بعض ائمہ کرام کو دیکھا ہے کہ جلد بازی میں نماز فجر بالکل تاریکی میں ادا کرتے اور اس کی جماعت کا اہتمام کرواتے ہیں، جس کی وجہ سے زیادہ لوگ جماعت میں شریک نہیں ہو پاتے اور بڑی کم تعداد میں ہی جماعت فجر قائم ہو جاتی ہے، حالاں کہ انہیں چاہیے فجر تاخیر کر کے جب کچھ آسمان میں روشنی پھیل جائے، اس وقت پڑھیں، اس میں سنت رسول پر عمل بھی ہے اور لوگوں کے لیے آسانی بھی۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ جہاں جماعت فجر کچھ روشنی کر کے قائم ہوتی ہے وہاں زیادہ افراد شریک ہوتے ہیں جب کہ جن مساجد میں فجر کا وقت ہونے کے چند منٹ بعد ہی جماعت قائم ہو جاتی ہے وہاں زیادہ لوگ شریک نہیں ہو پاتے۔

میں خود ایک مسجد کو جانتا ہوں جہاں ابتدائی وقت میں ہی جماعت فجر کا قیام ہو جاتا ہے، جس کی بنا پر مسجد میں بڑے قلیل افراد پہنچ پاتے ہیں اور کئی افراد ایسے ہیں جو امام صاحب سے اس لیے نالاں رہتے ہیں کہ اتنا جلدی جماعت کیوں قائم کی جاتی ہے حالاں کہ جماعت فجر تو کچھ روشنی میں قائم ہونی چاہیے تاکہ زیادہ لوگ شریک ہو کر ثواب کے مستحق بن سکیں!

جو شخص بالکل اندھیرے میں ہی نماز فجر پڑھ لیتا ہے اس کے متعلق امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اُس شخص کا اول وقت اندھیرے میں نماز پڑھنا سنت کی مخالفت کرنا ہے اور اُن کو اس کی تاکید کرنی مخالف سنّت کی طرف بلانا ہے اور یہ کہنا کہ روشنی میں نماز مکروہ ہوتی ہے سنّت کو مکروہ کہنا اور شریعت مطہرہ پر بہتان اٹھانا ہے، اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[فتاوٰی رضویہ، ج:4، ص:254، طبع:امام احمد رضا اکیڈمی]

■■■■■■

حیاتِ شیخ العالم کے چند درخشاں نقوش

آفتاب رشکِ مصباحی

ہلاکو خان کا حملہ اتنا شدید اور چوطرفہ تھا کہ مسلمانوں کے لیے خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا، ہر طرف جلتی بستیاں، بکھرتے انسان، اجڑتے مکانات اور ہو کا عالم۔ وحشت و دہشت کے بیچ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت ہجرت اور ترک مکانی پر مجبور تھی۔ اسی زمانے میں ہلاکو خان کا بلخ پر بھی حملہ ہوا اور پھر جو ہوا اس کے نتیجے میں شیخ داؤد فاروقی نامی خدا ترس بزرگ بلخ سے ہجرت کر کے ہندوستان پہنچے۔ ہندوستان میں سلطان علاء الدین خلجی کی حکومت تھی۔ خلجی کی ایک خوبی یہ تھی یہ مہاجرین کی بڑی قدر کیا کرتا تھا اور ہر ممکن ان کا تعاون کیا کرتا تھا اور اگر مہاجرین میں علما و مشائخ بھی ہوں تو وہ ان پر خصوصی عنایات بھی کرتا تھا۔ چناں چہ اپنی عادت کے مطابق خلجی نے شیخ داؤد کو ردولی نامی علاقہ بطور جاگیر عطا کیا اور انھیں اسی علاقے میں سکونت پذیر رہنے کی ہدایت دی۔ شیخ داؤد کو بھی یہ علاقہ پسند آیا اور وہ یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ صاحب مراۃ الاسرار شیخ عبد الرحمن چشتی کے مطابق شیخ داؤد چراغ چشت خواجہ نصیر الدین محمود دہلوی چشتی قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ شیخ داؤد فاروقی کے صاحب زادے شیخ محمد عمر فاروقی کے دو بیٹے: ایک شیخ تقی الدین فاروقی، دوم شیخ احمد فاروقی ہوئے۔ شیخ تقی الدین فاروقی بڑے عالم و فاضل اور واعظ و خطیب ہوئے جس کی بنیاد پر واعظ ربانی سے متعارف ہوئے۔ آپ بعد میں دہلی منتقل ہو گئے جب کہ شیخ احمد فاروقی بڑے ہو کر صاحب حال بزرگ ہوئے اور عبد الحق کا خطاب پا کر شیخ العالم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ سلسلہ صابریہ چشتیہ کے عظیم بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ صاحب سماع تھے اور آج بھی آپ کی خانقاہ میں سماع بالمزامیر کا اہتمام ہوتا ہے۔ آپ کی وفات 15 جمادی الآخر 837ھ میں ہوئی۔ ردولی شریف میں آپ کی بارگاہ فیض بخش زیارت گاہ خلائق ہے۔

ہندوستان کی سرزمین پر پہلی صدی ہجری ہی میں تاجر صحابہ کے ذریعہ اسلام کی آمد ہو چکی تھی جسے بعد کے ادوار میں صوفیاے کرام کے حسن اخلاق اور محبت بھرے رویوں سے فروغ ملا۔ یوں تو اہل تصوف کے تمام سلاسل سے اہل ہند فیض یاب ہوئے، لیکن سب سے زیادہ مشائخ چشتیہ کا فیض عام ہوا۔ جن میں بابا صاحب شیخ الاسلام شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ کے دو خلیفہ مخدوم علاء الدین صابر کلیری اور خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرھما کا نام سرفہرست ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے بعد خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی ان کے بعد مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری اور خواجہ بندہ نواز گیسودراز سید محمد حسینی قدس سرھما کے ذریعہ نظامی فیض کا چشمہ جاری ہوا تو مخدوم صابر کلیری قدس سرہ کے بعد شیخ شمس الدین ترک پانی پتی، ان کے بعد شیخ جلال الدین پانی پتی، پھر ان کے بعد شیخ العالم شیخ احمد عبد الحق ردولوی قدس سرہ کے توسط سے صابری جام کا دور چلا۔ آج اکناف عالم میں جو سلسلہ چشتیہ صابریہ کی شاخیں نظر آتی ہیں وہ سب حضور شیخ العالم قدس سرہ ہی کی فیض رسانی کا کرشمہ ہے۔

ولادت و وصال: شیخ العالم شیخ احمد عبد الحق بن شیخ عمر بن شیخ داؤد فاروقی قدس سرہ کی ولادت قصبہ ردولی، بارہ بنکی، اجودھیا میں ہوئی جس کی نسبت سے آپ کے نام کے ساتھ

شعبہ فارسی، بہار یونیورسٹی، مظفر پور

رودولوی کا لاحقہ شامل رہتا ہے۔ آپ کی ولادت کی دو الگ الگ تاریخیں ملتی ہیں۔ ایک: 717ھ اور دوسری: 729ھ، جب کہ تاریخ وفات: 15 جمادی الاخریٰ 837ھ پر مورخین کا اجماع ہے۔

تعلیم و تربیت: شیخ العالم کے والد بزرگوار کا بچپنے میں ہی وصال ہو گیا تھا اس لیے پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کی ساری ذمہ داری والدہ مشفقہ کے کاندھوں پر آ گئی تھی جسے انھوں نے بحسن و خوبی نباہا۔ شیخ کے بڑے بھائی شیخ تقی الدین فاروقی دہلی میں تدریسی ذمہ داری ادا کر رہے تھے۔ اس لیے والدہ نے بہتر تعلیم کے لیے شیخ العالم کو دہلی بھیج دیا۔ بعض روایتوں کے مطابق شیخ العالم خود ہی دہلی اپنے بڑے بھائی کے یہاں تشریف لے گئے۔ جہاں تک بات ظاہری تعلیم کی ہے۔ تقریباً سبھی مورخین و سیرت نگاروں نے اس بات پر اکتفا کیا ہے کہ ظاہری علوم کی جانب آپ راغب نہیں ہوئے۔ برادر اکبر شیخ تقی الدین فاروقی نے بڑی کوششیں کیں، علمائے دہلی کے حضور لے گئے تاکہ اکابر علما کی تفہیم کارگر ہو سکے۔ لیکن، کچھ فائدہ نہ ہوا تو آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ دین کی بنیادی علوم سے نابلد رہے ہوں۔ بلکہ آپ کے ملفوظات و ارشادات اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ اللہ نے آپ کو علم لدنی سے خوب سیراب کیا تھا۔ چناں چہ آپ اپنے ذوق باطن سے علوم ظاہری میں بھی حصہ رکھتے تھے۔ بر وقت قرآنی آیات، عربی محاورات، فارسی اشعار اور ہندی دوہے وغیرہ کا استعمال آپ کی گفتگو کا حصہ ہوتا۔

بیعت و خلافت: شیخ العالم پر ہمیشہ جذب و کیف کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ آپ اللہ کی معرفت میں سرگرداں رہتے، لیکن اس راہ میں کمال تک پہنچنے کے لیے کسی ولی کامل کو مرشد و شیخ بنانا ضروری ہوتا ہے۔ چناں چہ آپ اس کی تلاش میں دہلی سے نکل پڑے۔ قسمت کی خوش بختی دیکھیے اسی تلاش و جستجو میں آپ پانی پت پہنچے جہاں کبیر الاولیا مخدوم جلال الدین قدس سرہ سے ملاقات ہوئی اور بیعت کے بعد ریاضت و مجاہدے سے گزار کر خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔ خلافت سے سرفرازی کے بعد صاحب سیر الاقطاب نے آپ کے رودولی لوٹنے کا ذکر کیا ہے، جب کہ مراۃ الاسرار کے مطابق مرشد برحق نے آپ کو سنام جانے کا حکم دیا جہاں مدتوں آپ ریاضت و مجاہدے میں مشغول رہے اور جب دہلی اور اطراف دہلی میں تیمور لنگ کا حملہ ہوا تو آپ رودولی واپس آ گئے۔ جب آپ رودولی پہنچے اس وقت مرشد گرامی اپنے مریدین کے ساتھ کسی پہاڑی علاقے کے لیے رخت سفر باندھ چکے تھے۔ شیخ نے آپ کو دیکھا تو ایک طباق چاول عنایت فرماتے ہوئے حکم دیا کہ اس وقت خدا کا قہر نازل ہوا ہے، لہذا تم بھی کہیں نکل جاؤ۔

خلافت و اجازت کے بعد بھی آپ کے قلب مضطر کو آرام نہیں مل رہا تھا۔ حالاں کہ تکمیل سلوک کے بعد ہی مرشد برحق نے آپ کو خلافت و اجازت دی تھی۔ لیکن، باطن کی آگ تھی جو روز افزوں تھی۔ لہذا، ایک بار پھر سیاحت شروع کر دی۔ مخدوم صابر کلیری شیخ علاء الدین چشتی قدس سرہ کی بارگاہ سے فیض یابی کے بعد پنجاب سے لے کر بنگال، بہار ہر جگہ گئے اور وہاں کے اکابر علما و مشائخ سے ملاقاتیں کیں۔ بہار کے بعد آپ ایودھیا آتے ہیں جہاں آپ کی کیفیت بدلتی ہے اور اب ذی حیات علما و مشائخ کی بجائے وصال یافتگان کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ مختلف بزرگوں کے مزارات، قبرستانوں اور ویرانوں میں وقت گزارنے لگتے ہیں۔ اسی دوران ایک قبر کھود کر تقریباً چھ ماہ تک اس میں چلہ کشی کی جہاں کچھ ایسے احوال طاری ہوئے جن سے آپ کے قلب مضطر کو قرار کی دولت نصیب ہوئی۔

ہدایات و تعلیمات: قلبی سکون پاکر آپ ایودھیا سے رودولی واپس ہوئے اور طالبین حق کی رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے جس سخت قسم کے مجاہدے کیے تھے طالبین کے ساتھ بھی اسی سختی سے پیش آتے تھے۔ چناں چہ آپ کی

خانقاہ میں کوئی آتا اور بیعت کی درخواست کرتا تو پہلے اس کا سخت ترین امتحان لیتے اور جب طلب صادق پاتے تو بیعت فرما لیتے۔ بیعت کے بعد مختلف کاموں مثلاً: پانی بھرنے، لکڑی چیرنے، جھاڑو لگانے اور دوسرے کاموں میں لگا دیتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح مٹی پانی میں مل کر اپنا وجود گم کر دیتی ہے اسی طرح جب تک طالب صادق طلب حق میں اپنے آپ کو فنا نہیں کر لیتا اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

آپ عبادات اور اعمال صالحہ کے طور پر منصوص چیزوں ہی کو ترجیح دیتے تھے، غیر منصوص اعمال آپ کو آپ کو پسند نہیں تھے۔ چناں چہ ایک مرتبہ دوران سفر کسی علاقے کی مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ شب جمعہ میں لوگ سات بار اذان دیتے ہیں اور اس سے بلاؤں سے حفاظت کا گمان رکھتے ہیں۔ اس عمل سے متعلق جب وہاں کے لوگوں نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے صاف لفظوں میں فرمایا: اس کام میں میری نیت میرا ساتھ نہیں دیتی، کیوں کہ نیکیاں حاصل کرنے کے لیے جو بندہ اپنے اللہ کی (منصوص) عبادت کرتا ہے تمام بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور جو کوئی کام غیر اللہ کے کہنے پر کرے وہ بندہ کا بندہ ہوگا اللہ کا بندہ نہیں ہوگا۔ اسی کو صاحب بزم صوفیہ نے اخلاص فی العبادۃ کے عنوان سے درج کیا ہے اور لکھا کہ شیخ العالم کے نزدیک کوئی عبادت کسی بلا سے بچنے کی نیت سے کیا جائے تو اس میں اخلاص نہیں ہوتا، اخلاص تو اسی وقت ہوگا جب کسی کام کے کرنے کا مقصود صرف اور صرف اللہ ہو۔

شیخ کے نزدیک اتباع رسول کے علاوہ معرفت خداوندی کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ جسے بھی اللہ کی معرفت نصیب ہوگی رسول گرامی وقار ﷺ کی اتباع ہی سے حاصل ہوگی۔ چناں چہ انھوں نے اپنے محبوب مرید شیخ بختیار سے مراحل سلوک طے کرانے کے بعد فرمایا: تم نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے طفیل خدا کو پالیا ہے۔

شیخ پر ہمہ دم استغراقی کیفیت طاری رہتی اور باطنی احوال کا غلبہ رہتا۔ لیکن اس کمال مغلوبیت کے باوجود حفظ شریعت کا خصوصی اہتمام فرماتے۔ اسی وجہ سے نہ تو آپ کی جماعت ترک ہوتی اور نہ ہی زبان فیض سے شطحیات کا ورود ہوتا تھا۔ چناں چہ ایک مرتبہ ایک مرید خانقاہ میں آکر کہنے لگا: حق پیر من پاک، حق پیر من پاک- آپ نے پہلے لوگوں کے ذریعہ اسے یہ کہنے سے منع کروایا، لیکن جب وہ نہیں مانا تو خود ہی اس کے پاس تشریف لے گئے اور سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: پیر کس طرح پاک ہو سکتا ہے جب کہ وہ بندہ ہے اور بندہ تو سر تا پا ناپاک ہوتا ہے۔ پاکی تو صرف حق تعالیٰ کے لیے ہے۔

آپ نے اپنی زندگی عیش و عشرت میں گزاری نہ تنعم کی زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا اور دولت دنیا کا آپ کی بارگاہ میں گزر نہیں تھا۔ بہت سے امرا اور سلاطین نے آپ کو مختلف قسم کی جاگیریں دینے کی کوشش کیں لیکن آپ نے سب کو ٹھکرا دیا۔ ایک مرتبہ سلطان ابراہیم نے آپ سے ملنا چاہا تو اس وقت کے قاضی رضی نے خانقاہ کے مصارف کے لیے بہت سے تحفہ تحائف کے ساتھ ایک ہزار بیگھہ آراضی کا فرمان بھی سلطان سے لکھوا کر آپ کے لیے بھجوایا جس پر آپ سخت برہم ہوئے، قاضی وقت کی زبردست سرزنش کی اور فرمایا کہ جو خدا تمھیں اور سلطان کو رزق دیتا ہے وہی ہمیں بھی رزق دیتا ہے اور ساری چیزیں واپس کر دی۔

شیخ العالم قدس سرہ صاحب سماع بزرگ تھے۔ تمام تر استغراقی کیفیت کے باوجود سماع کا خوب ذوق رکھتے تھے۔ دوران سماع آپ پر وجد کی کیفیت بھی خوب طاری ہوتی تھی اور اس حالت میں کبھی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے اور کبھی زیر لب مسکراتے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو بتایا کہ جب اس کا مشاہدہ صفت جلالی میں ہوتا ہے تو آنکھیں رواں ہو جاتی ہیں اور صفت جمالی میں ہوتا ہے تو تبسم کا سماں بندھ جاتا ہے۔ (باقی ص:19 پر)

آئینۂ وطن

مسلم یا مجرم!!!

مہتاب پیامی

آج کے بھارت میں ہر صبح خبروں کے دو الگ الگ منظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ایک وہ جو ٹی وی اسکرین پر دکھایا جاتا ہے، جسے بہت سوچ سمجھ کر منصوبہ بند طریقے سے تیار کیا جاتا ہے: اس میں پاکستان پر بحث، ہندوتو کی تبلیغ، اور نیو انڈیا کا کبھی نہ ختم ہونے والا ڈرامہ چلتا رہتا ہے۔

دوسری طرف وہ سچائی ہے جو ٹی وی پر نہیں دکھائی جاتی لیکن وہ بہت گہری ہے۔ وہ ہے مسلمانوں کے ساتھ روزانہ ہونے والا وہ سلوک ہے جس میں انہیں بھیڑ کے ہاتھوں مارا جاتا ہے، ہراساں کیا جاتا ہے، جیلوں میں ڈالا جاتا ہے اور نفرت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

ان دونوں کے درمیان جو پیغام ملتا ہے وہ بہت خوف ناک ہے۔ مسلمانوں کو یا تو پورے طریقے سے مٹانے کی کوشش ہو رہی ہے یا پھر اسے تماشہ بنایا جا رہا ہے، جسے اکثریت شام کی تفریح کے طور پر دیکھتی ہے۔ جب کہ مسلمان خود ایسی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں جیسے وہ پیدائشی مجرم ہوں۔

گذشتہ ستمبر 2025ء میں اعظم گڑھ میں ایک سات سالہ مسلم بچے کے قتل کا معاملہ لے لیجیے۔ اس کی لاش ایک بیگ میں بند ملی اور پڑوسیوں پر اس کے الزامات عائد کیے گئے (جنہیں بعد میں گرفتار بھی کیا گیا)۔ بس کچھ پل کے لیے مقامی خبروں میں اس کا ذکر ہوا، لیکن جلد ہی یہ پرائم ٹائم ٹی وی سے غائب ہو گیا۔ اس کی جگہ 'لو جہاد'، بارڈر پر کشیدگی، یا انڈیا پاکستان کرکٹ میچ پر ہونے والی گرما گرم بحث نے لے لی۔

ایک مسلم بچے کی موت قومی غصے کے اسکرپٹ میں فٹ نہیں بیٹھی۔ اس کے برعکس، یہ واقعہ تشدد کے ان واقعات کے خاموش ریکارڈ کا حصہ بن گیا جنھیں اب معاشرے میں عام سمجھ لیا گیا ہے۔ ماہرِ عمرانیات (Sociologist) اسٹینلے کوہن (Stanley Cohen) نے ایک بار "انکار کی حالت" (States of Denial) کے بارے میں لکھا تھا:

اسٹیٹس آف ڈینئل یعنی ایسے معاشرے جہاں ظلم کو چھپایا نہیں جاتا، بلکہ اسے اتنی روانی سے جذب کر لیا جاتا ہے کہ وہ اب کسی کو چونکاتا نہیں ہے۔"

آج ہندوستان کا یہی حال ہے، مسلمانوں کا قتل دن کے اجالے میں ہوتا ہے، لیکن اکثریت اسے محض پس منظر کے شور (Background noise) کی طرح دیکھتی ہے اور نظر انداز کر دیتی ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ، یہ نفرت صرف خاموشی تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ ایک نمائش بن چکی ہے۔ جب کانپور میں مسلمانوں نے "آئی لو محمد" کے پوسٹر اٹھائے، تو پولیس نے انھیں تحفظ دینے کے بجائے 1,300 مسلمانوں کے خلاف ایف آئی آر درج کر دی اور بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کیں۔ یعنی محبت کے اظہار کو بھی جرم بنا دیا گیا۔

دوسری طرف، جب مہاراشٹر یا مدھیہ پردیش میں ہندوتوا کے ہجوم نے کھلے عام نسل کشی کے نعرے لگائے، تو بعض ٹی وی چینلز نے انھیں بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور بعض نے خاموشی سے نظریں چُرا لیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تشدد اب ایک قسم کا تماشہ بن گیا ہے، ایک ایسا ڈرامہ جس

میں مسلمان ملزم کے کردار میں اور ہندو توادی قوتیں تہذیب و تمدن کے رکھوالے کے کردار میں نظر آتی ہیں۔

کچھ علاقوں میں مسلم تاجروں کو راتوں رات نکال باہر کرنا یقیناً معاشی قتلِ عام ہے، پورے کے پورے خاندانوں سے ان کا روزگار چھین لیا گیا، بچوں کو اسکولوں سے نکال دیا گیا اور عورتیں پڑوسیوں سے کھانا مانگنے پر مجبور ہو گئیں۔ مگر قومی میڈیا نے اسے انسانی المیہ بتانے کے بجائے "امن و امان کی بحالی" کا نام دے کر پیش کیا۔ ہندو تواگروپوں نے سوشل میڈیا پر اس کا جشن منایا اور مسلمانوں کی اس بربادی کو ایک ایسی ویڈیو بنا دیا جو انٹرٹینمنٹ کے طور پر وائرل ہو سکے۔ جس واقعے پر پورے ملک میں کہرام مچنا چاہیے تھا، اسے محض "مقامی کشیدگی" کہہ کر فائل کر دیا گیا۔

وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ اس مخصوص کلچر کی مکمل عکاسی کرتے ہیں۔ وہ سرکاری اسٹیج سے مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے ہیں اور مقامِ حیرت تو یہ ہے کہ نام نہاد اپوزیشن جماعتیں بھی اس پر احتجاج کرنے کے بجائے خود کو ہندو تواکے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرتی ہوئی نظر آتی ہیں تاکہ یہ ثابت کر سکیں کہ وہ بھی "ہندو نواز" ہیں۔ اس سیاسی دوڑ میں مسلمانوں کے خوف کو دبا دیا گیا ہے۔ اس صورت حال نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اب ہندوستان میں مسلمان کوئی سیاسی اہمیت رکھنے والے شہری نہیں، بلکہ صرف سیاسی مہرے (Props) بن کر رہ گئے ہیں۔

اس صورت حال کا نقصان صرف جسمانی نہیں بلکہ نفسیاتی اور وجودی بھی ہے۔ آج ہندوستان میں ایک مسلمان کی حیثیت سے جینے کا مطلب "مستقل مشکوک" بن کر جینا۔ آج بھارت کے مسلمانوں پر مسجدوں میں نظر رکھی جاتی ہے، بازاروں میں اسے پرکھا جاتا ہے اور کلاس روم میں اس پر شک کیا جاتا ہے۔ ہر جمعہ کی نماز ایک خطرہ محسوس ہوتی ہے۔ اذان کی آواز جو ایک کمیونٹی کے دل کی دھڑکن ہے، کچھ لوگوں کو اشتعال انگیز لگتی ہے۔ سیکولرزم کو ہندوستان کی عظمت سے تعبیر کرنے والے نام نہاد سیاست دانوں سے میں پوچھنا چاہوں گا کہ اگر سیکولرزم ہندوستان کی عظمت کا آئینہ ہے تو پھر اس کی قیمت روزانہ مسلمانوں کی تذلیل کی صورت میں کیوں وصول کی جا رہی ہے؟

یوگنڈا کے نامور مسلم سکالر محمود ممدانی نے اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے اپنی کتاب "گڈ مسلم، بیڈ مسلم" میں ایک فریم ورک دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ریاستیں اور معاشرے مسلمانوں کو دو حصوں میں بانٹ دیتے ہیں: ایک وہ جو مسلمان "قابلِ قبول" ہے کیوں کہ وہ خاموشی سے سر جھکا لیتا ہے، اور دوسرا وہ جو "خطرناک" ہے کیوں کہ وہ مزاحمت کرتا ہے یا اپنی عزتِ نفس کی بات کرتا ہے۔ ہندوستان میں اس تقسیم کو روزانہ ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ وہ مسلمان جو اپنا عقیدہ چھپاتا ہے اور نظروں سے اوجھل رہتا ہے، اسے برداشت کر لیا جاتا ہے۔ لیکن وہ مسلمان جو اپنی شناخت کا اظہار کرتا ہے، جو سرِعام "میں محمد ﷺ سے محبت کرتا ہوں" کہتا ہے، جو برابر کے حقوق طلب کرتا ہے اسے فوراً "مجرم" بنا دیا جاتا ہے۔ ممدانی ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ یہ معاملہ مذہب کا نہیں بلکہ طاقت کا ہے: یعنی کس کے پاس یہ حق ہے کہ وہ کسی کو جائز قرار دے اور کسے ہمیشہ شک کے سائے میں جینا پڑے۔

یہی وجہ ہے کہ لنچنگ کی ویڈیوز واٹس ایپ پر ایسے گھومتی ہیں جیسے کوئی مزاحیہ لطیفہ (Meme) ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ٹی وی اینکرز مسلمانوں کی آبادی کے بڑھنے کے جھوٹے نظریات پھیلاتے ہوئے مسکراتے ہیں، اور دکانوں کو آگ لگانے کے بعد ہجوم قہقہے لگاتا ہے۔ اب نفرت صرف سیاست نہیں رہی، بلکہ یہ ایک گروہی مشغلہ بن چکی ہے۔ **جب ظلم تفریح بن جائے اور ذلت کو ٹی وی کا اسکرپٹ بنا دیا جائے، تو سمجھ لیں کہ جمہوریت اور فاشزم کے درمیان کی لکیر مٹ چکی ہے۔**

(باقی ص:30 پر)

یادِ ماضی | آخری قسط

تاریخ اور تاریخی مطالعات

مہتاب پیامی

ابن کثیر (701–774ھ) اور ان کا منہج:

ابن کثیر کی مشہور تاریخی تصنیف "البدایہ والنہایہ" کا مطالعہ ان کے منہج کو سمجھے بغیر مکمل فائدہ نہیں دے سکتا۔ ان کا اسلوب مختلف ادوار میں کچھ مختلف ہے، تاہم عمومی طور پر انھوں نے اسناد کے ساتھ روایت کو اختیار کیا اور بہت سی روایات پر نقد بھی کیا ہے، کیوں کہ وہ خود محدث تھے۔ ابو عبد اللہ الذہبی لکھتے ہیں:

" لحقيقة أن ابن كثير كان يشعر في كثير من الأحيان أن ما يرويه هو من هذيانات المؤرخين وخرافاتهم. لكنه يذكره اتباعاً للمؤرخين السابقين للرد والتنبيه عليه. ويُقدِّم ابن كثير عذره في مثل هذه الأماكن قائلاً: "لولا أنها مُسَطَّرةٌ في كثير من كتب التفسير وغيرها من التواريخ وأيام الناس، لما تعرضنا لسقاطتها وركاكتها ومخالفتها للمعقول والمنقول"."(أبو عبدالله الذهبي، مقال بعنوان: (منهج ابن كثير في كتابه البداية والنهاية)، صيد الفوائد، نقلا عن: البداية والنهاية: ج1/ ص114 و ج5/ ص96 – 97)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ ابن کثیر کو اکثر یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ جو کچھ نقل کر رہے ہیں وہ بعض مؤرخین کے اوہام اور خرافات پر مشتمل ہے، مگر وہ انھیں اس لیے ذکر کر دیتے تھے کہ پہلے مؤرخین نے نقل کیا تھا، تاکہ ان پر تنبیہ اور رد کیا جا سکے۔

ایسے مواقع پر وہ خود عذر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اگر یہ باتیں تفاسیر اور تاریخ کی بہت سی کتابوں میں درج نہ ہوتیں، تو ہم ان کی کم مائگی، بے معنویت اور عقل و نقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے انہیں ذکر ہی نہ کرتے۔"

ابن کثیر کے منہج سے تاریخ کے قاری اور مصنف کو علمی دیانت، شجاعت اور عقیدے سے وابستگی کا سبق ملتا ہے۔ ان کی تحریر میں تاریخ، دین اور عقیدہ ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ باہم مربوط ہیں۔ وہ جو لکھتے ہیں، اس میں احتساب اور ذمہ داری کا شعور نمایاں ہے۔ اسی پہلو پر ابو عبد اللہ الذہبی لکھتے ہیں:

"صف ابن كثير بتحري الصدق، والتزم التثبت من الحقيقة، واجتنب التحيز والميل مع الهوى، إلا أننا نرى عنده أحياناً لوناً من الجدل والمناظرة في مسائل خلافية، مثل الخلاف بين المسلمين وأهل الكتاب، والخلاف بين أهل السنة و بين الشيعة، وفي ذكر الفِرَق المنحرفة الخارجة على الإسلام، فإنه في مثل هذه المواضع يُناظر ويُجادل ويَقْرَع الحجة بالبرهان ليثبت لما يعتقده صحيحاً في نظره، فهو هنا ليس مؤرخاً بل هو هنا عالم ديني شديد التمسك بموقف أهل السنة، يلسع بالنقد اللاذع من يخالفه ويجاهر بالعداء من ينابذه، ولا يتحرز من تخطئتهم وتكذيبهم وتجهيلهم، ولعنهم على طريقة أهل

الجدل والمناظرة."(ایضا)

ترجمہ: ابن کثیر سچ کی جستجو میں معروف تھے، حقیقت کی تحقیق کو لازم پکڑتے تھے، تعصب اور خواہشِ نفس سے اجتناب کرتے تھے۔ البتہ بعض اختلافی مسائل میں، جیسے مسلمانوں اور اہلِ کتاب کے درمیان اختلاف، یا اہلِ سنت اور شیعہ کے مابین نزاع، اور اسلام سے خارج گمراہ فرقوں کے تذکرے میں وہ مناظرہ اور جدل کا اسلوب اختیار کرتے۔ ان مقامات پر وہ محض مؤرخ نہیں رہتے بلکہ ایک مضبوط اہلِ سنت عالم کی حیثیت سے دلائل کے ساتھ اپنا موقف ثابت کرتے، سخت تنقید کرتے، مخالفین کی تردید، تکذیب اور تجہیل سے بھی گریز نہیں کرتے، اور یہ سب کچھ مناظرانہ اسلوب کے مطابق ہوتا ہے۔

ابنِ کثیر کے منہجِ تاریخ نگاری کے ذریعے تاریخ کا قاری اور مؤرخ یہ سیکھتا ہے کہ علمی امانت داری کے ساتھ تاریخ تحریر کیسے کی جاتی ہے۔ ان کی تاریخ نویسی کا امتیاز یہ تھا کہ وہ تاریخ کو عقیدہ و دین سے جوڑ کر لکھتے تھے، اور جو کچھ قلم بند کرتے اس میں احتساب کے اصولوں کی مکمل پاسداری کرتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے اس علم کا حق ادا کیا اور ایسی جرأت و صراحت کے ساتھ لکھا کہ ان کی تحریریں اُن کے دور کے ساتھ مابود کے طالبِ علم اور محقق دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ثابت ہوئیں۔

چناں چہ ابو عبداللہ الذہبی نے لکھا:

"تميز ابن كثير بجرأته في الحق وصراحته في النقد حتى في حوادث عصره، لا يحاكي أحداً ولا يجامل ولا يخاف في الحق لومة لائم. لهذا كله ولهذه الدقة والنزاهة والنقد والصراحة... كانت سبباً في إثارة إعجاب المؤرخين والعلماء به بعده، كما كانت سبباً في تقدير الدارسين له في عصرنا." (ایضاً)

ترجمہ: ابنِ کثیر حق کے معاملے میں بے باک اور تنقید میں نہایت واضح تھے، حتیٰ کہ اپنے عہد کے واقعات پر بھی کسی کی رعایت کیے بغیر قلم اٹھایا۔ وہ نہ کسی کی نقالی کرتے، نہ خوشامد، اور نہ ہی حق بات کہنے میں کسی ملامت کی پروا کرتے تھے۔ یہی دقتِ نظر، دیانت، تنقیدی شعور اور صراحتِ بیان بعد کے مؤرخین اور علما کے لیے باعثِ تحسین ہوئے، اور آج کے دور کے محققین کے نزدیک بھی ان کی قدر و منزلت کا سبب ہے۔"

ابنِ کثیر نے تاریخ کو محض فخر و تمجید تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسلامی تاریخ کے بعض کمزور اور زوال پذیر ادوار کا بھی غیر جانب دارانہ ذکر کیا، اور ان سے سبق و عبرت اخذ کیا۔ انہوں نے البدایہ والنہایہ" میں تاریخِ اسلام کے روشن اور درخشاں پہلوؤں کو نمایاں کیا تاکہ مسلمانوں کو خیر اور حق کی پیروی کی ترغیب ملے، اور ساتھ ہی بعض ادوار میں مسلمانوں کے ضعف اور انحطاط کی نشان دہی کی، ان کے اسباب واضح کیے تاکہ نصیحت، عبرت اور سبق حاصل ہو۔ واقعات اور تراجم کو یکجا کرنے کے باعث ان کی تاریخ میں سیاسی واقعات، فتنوں اور جنگوں کے ساتھ ساتھ علمی اور ثقافتی پہلو بھی بھرپور انداز میں محفوظ ہو گئے۔

ابنِ خلدون (732–808ھ) کی تاریخ نگاری:

مسلمانوں کے ہاں تاریخ نویسی کی اہمیت اس وقت مزید واضح ہو جاتی ہے جب ہم ان کے تصوراتِ تاریخ، اس کی حرکت، اصولِ تحریر اور اس سے استفادے کے طریقوں پر غور کرتے ہیں۔ ان میں سرِفہرست عبدالرحمن بن محمد بن خلدون ہیں، جنھیں بجا طور پر علمِ تاریخ اور علمِ عمرانیات کا بانی کہا جاتا ہے۔ انھوں نے "فضل علم التاريخ وتحقيق مذاهبه" (تاریخ ابن خلدون) میں تاریخ کی حقیقت اور اس کے اصول یوں بیان کیے:

" اعلم أنَّ فنَّ التَّأريخ فنٌّ عزيز المذهب،

جمُّ الفوائد، شريف الغاية؛ إذ هو يُوقفنا على أحوال الماضين من الأمم في أخلاقهم. والأنبياء في سيرهم. والملوك في دولهم وسياستهم، حتَّى تتمَّ فائدة الاقتداء في ذلك لمن يَرُومُهُ في أحوال الدِّين والدُّنيا فهو محتاج إلى مآخذ متعدّدة ومعارف متنوِّعة وحُسن نَظَر وتثبّت يفضيان بصاحبهما إلى الحقِّ وينكِّبان به عن المزلَّات والمغالط، لأن الأخبار إذا اعْتُمِدَ فيها على مجرد النقل، ولم تُحكَّم أصول العادة وقواعد السياسة وطبيعة العمران والأحوال في الاجتماع الإنساني، ولا قيس الغائب منها بالشاهد والحاضر بالذاهب، فربّما لم يُؤْمَن فيها من العُثور، ومزلَّة القَدَم والحيْد عن جادَّة الصِّدق وكثيراً ما وقع للمؤرِّخين والمفسِّرين وأئمَّة النَّقل من المغالط في الحكايات والوقائع لاعتمادهم فيها على مجرَّد النّقل غثّاً أو سميناً ولم يَعرضوها على أصولها ولا قاسوها بأشباهها ولا سبروها بمعيار الحكمة والوقوف على طبائع الكائنات وتحكيم النّظر والبصيرة في الأخبار فضلُّوا عن الحق وتاهوا في بيداء الوهم والغلط ولا سيَّما في إحصاء الأعداد من الأموال والعساكر إذا عرضت في الحكايات إذ هي مظنَّة الكذب ومطيَّة الهذر ولا بدَّ من ردِّها إلى الأصول وعرضها على القواعد."(عبدالرحمن بن خلدون، مقدمة ابن خلدون، ص13)

ترجمہ: جان لو کہ فنِ تاریخ نہایت بلند پایہ، کثیر الفوائد اور اعلیٰ مقصد کا حامل علم ہے۔ یہ ہمیں گزشتہ امتوں کے اخلاق، انبیا کی سیرتوں اور بادشاہوں کی حکومتوں اور سیاستوں سے آگاہ کرتا ہے، تاکہ دین و دنیا کے معاملات میں اقتدا کا فائدہ حاصل ہو۔ مگر اس کے لیے متعدّد مصادر، مختلف علوم سے واقفیت، گہری نظر اور تحقیق و تثبّت ضروری ہے، کیوں کہ اگر محض روایت پر اعتماد کیا جائے، اور انسانی معاشرت، سیاست، عمرانی اصولوں اور حالاتِ زمانہ کو معیار نہ بنایا جائے، تو قدم لغزش کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مؤرخین اور مفسرین محض نقل پر اکتفا کرنے کی وجہ سے غلطیوں کا شکار ہوئے، خاص طور پر اموال اور افواج کی تعداد جیسے امور میں، جہاں مبالغہ اور وہم کا غلبہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان خبروں کو اصولوں اور قواعد پر پرکھا جائے۔

فرانزروزنتال (Franz Rosenthal) "مقدّمہ ابن خلدون" کا انگریزی ترجمہ اور تشریح کی ہے، جس میں وہ اسے تاریخ، سماجی اور سیاسی علوم کا ایک مربوط منہج قرار دیتے ہیں۔ روزنتال کے مطالعے کا نتیجہ یہ ہے کہ ابن خلدون نے تاریخ کو صرف روایتی واقعات کے بیان سے نکال کر ایک علمی تجزیاتی فن میں بدل دیا، جس میں انسانی معاشرے، ریاست، سماجی تنظیمات، اور سیاسی صورتِ حال کو بنیاد بنایا گیا۔ چناں چہ وہ ترجمہ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"...Regarded as the earliest attempt made by any historian to discover a pattern in the changes that occur in man's political and social organization. Rational in its approach, analytical in its method, encyclopaedic in detail, it represents an almost complete departure from traditional historiography, discarding conventional concepts and clichés and seeking, beyond the mere

chronicle of events, an explanation — and hence a philosophy — of history."

ترجمہ: ..."یہ (المقدّمہ) تاریخ نگاروں کی جانب سے انسان کے سیاسی اور سماجی ڈھانچوں میں ہونے والی تبدیلیوں میں ایک نمونہ تلاش کرنے کی سب سے قدیم کوشش کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اس کا طریقۂ کار عقلی، اسلوب تجزیاتی، مواد حوالہ جاتی و جامع ہے، اور یہ روایتی تاریخ نگاری سے تقریباً مکمل انحراف کی نمائندگی کرتا ہے، عام تصورات کو چھوڑ کر، محض واقعات کی تاریخ درج کرنے کے علاوہ ایک وضاحتی تشریح، اور اس طرح تاریخ کے فلسفے، کی تلاش کرتا ہے۔

روزنتال نے ببانگ دہل اعلان کیا کہ ابن خلدون پہلے مفکر ہیں جنھوں نے سماجی اور سیاسی علوم کو یکجا کر کے تاریخ کے مطالعے میں استعمال کیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تاریخ کو ایک زندہ قوت کے طور پر دیکھا جو ماضی کو حال سے مسلسل عمل کے ذریعے جوڑتی ہے۔ انسان، ماحول، انفرادی کوششیں اور سماجی تنظیمیں، یہ سب تاریخ کا خام مواد ہیں۔ اگرچہ ان کا تجزیہ بعض اوقات سخت بھی ہو جاتا ہے، مگر اس کے باوجود وہ علمِ تاریخ اسلامی روایت میں ایک غیر معمولی اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔

ان تمام مباحث سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک تاریخ نویسی ایک سنجیدہ، دقیق اور تخصصی علم تھا، کوئی ایسی چراگاہ نہیں جس میں ہر ناواقف داخل ہو جائے۔ جیسے دیگر علوم میں غیر اہل کی مداخلت تباہ کن نتائج پیدا کرتی ہے، اسی طرح تاریخ میں نااہل قلم کار، قوموں کے فکری، اعتقادی اور اخلاقی انحراف کا سبب بن سکتے ہیں۔ ابنِ کثیر اور ابنِ خلدون کے تحریری نمونے اس بات کا ثبوت ہیں کہ علمی منہج ہی تاریخ کو سطحیت اور نمائشی دانشوری سے محفوظ رکھ سکتا ہے، اور تاریخ کو ایک زندہ، بامعنی اور باوقار علم بنا سکتا ہے۔ (جاری)۔ ■■■

(ص:26 کا بقیہ) تاریخ ہمیں خبردار کرتی ہے کہ وہ معاشرے جو اقلیتوں کے دکھ درد کو تفریح کا ذریعہ بنا لیتے ہیں، وہ خود بھی اس تباہی اور زوال سے محفوظ نہیں رہتے۔ نازی جلسوں کے دوران جرمن لبرل طبقے کی خاموشی، سیاہ فاموں کی لنچنگ کے وقت امریکیوں کی بے حسی، اور غزہ پر بمباری کے دوران اسرائیلی ہجوم کی خوشیاں، یہ سب اس بات کی یاد دہانی ہیں کہ **نفرت پر مبنی تفریح آخر کار پورے معاشرے کو نگل جاتی ہے۔ بھارت اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔**

لہٰذا میں اسی سوال پر واپس آتا ہوں: ہم مسلمان ہیں یا مجرم؟ کیوں ہمیں روزانہ کٹہرے میں کھڑے ہو کر جینا پڑتا ہے جب کہ قاتل آزاد گھومتے ہیں؟ ہمارے بچوں کی موت کو کیوں مٹا دیا جاتا ہے جب کہ ریاست "امرت کال" کا جشن مناتی ہے؟ اس کا جواب صرف مسلمانوں کو نہیں دینا؛ بلکہ یہ ہندوستان کی اکثریت کو فیصلہ کرنا ہے کہ آیا وہ نفرت کو اپنے پسندیدہ ڈرامے کے طور پر دیکھنا جاری رکھیں گے یا آخر کار اس (نفرت کی) اسکرین کو بند کر دیں گے۔

کیوں کہ جس دن نفرت قومی تفریح کی واحد شکل بن جائے گی، تو کہانی کے اختتام پر نام صرف مسلمانوں کی لاشوں کے اوپر ہی نہیں لکھے جائیں گے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خود جمہوریہ کی موت کا پروانہ بھی لکھا جائے گا۔ تب تاریخ یہ نہیں پوچھے گی کہ آپ ہندو تھے یا مسلمان، دائیں بازو سے تھے یا لبرل؛ وہ صرف یہ پوچھے گی کہ جس معاشرے کو اپنی تہذیب پر ناز تھا اس نے سنگ دلی کو مذاق اور خاموشی کو رضامندی میں کیوں بدل دیا؟ ہندوستان کی اکثریت کے سامنے اب سوال رواداری یا سیکولرازم کا نہیں رہا، بلکہ سوال یہ ہے کہ کیا وہ اب بھی اپنے پڑوسی میں ایک انسان کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟

اگر آج آپ مسلمانوں کو مجرم سمجھ کر سزا دیے جانے پر تالیاں بجاتے ہیں، تو کل جب آپ کی آنکھ کھلے گی تو آپ دیکھیں گے کہ جس ملک کے لیے آپ نعرے لگا رہے تھے، وہ خود آپ کا قید خانہ بن چکا ہے۔ اور تب تک، اس جمہوریہ میں صرف نفرت کے قہقہوں کی آواز باقی رہ جائے گی۔ ■■

حفظانِ صحت

مصنوعی ذہانت اور انسانی صحت

ڈاکٹر ام فرح۔ ایم. ڈی (ڈرمیٹولوجی)

مصنوعی ذہانت (AI) ہماری روزمرہ زندگی کا ایک لازمی حصہ بن چکی ہے اور صحت، مالیات اور نقل وحمل جیسے مختلف شعبوں میں تیزی سے انقلاب برپا کر رہی ہے۔ مصنوعی ذہانت سے مراد ایسے کمپیوٹر سسٹمز کی تیاری ہے جو وہ کام انجام دے سکیں جن کے لیے روایتی طور پر انسانی ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے کہ سیکھنا، فیصلے کرنا اور مسائل کو حل کرنا۔ "ڈیپ لرننگ" اور "نیورل نیٹ ورکس" میں ترقی کی بدولت اے آئی اب وائس اسسٹنٹس، تصاویر کی شناخت کے سافٹ ویئر اور خودکار نظاموں کی صورت میں ہماری زندگیوں میں شامل ہو چکی ہے۔ ان ایجادات نے انسانوں اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے درمیان تعلق کو بدل دیا ہے اور اے آئی کو عام آدمی کے لیے قابل رسائی بنا دیا ہے۔

صحت کے شعبے میں اے آئی نے بیماریوں کی جلد تشخیص، علاج کے بہتر انتظام، مستقبل کے طبی واقعات کی پیشین گوئی اور طبی فیصلوں میں معاونت کے ذریعے حیرت انگیز صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ چیزیں مریضوں کے لیے بہتر نتائج اور طبی عمل کو آسان بنانے میں اے آئی کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اے آئی اب سائنسی تحقیق کا مرکزی موضوع بن چکا ہے اور طبی و تجارتی صنعتوں میں اس کا اثر و رسوخ مسلسل بڑھ رہا ہے۔

شعبۂ صحت کے چیلنجز اور اے آئی کا کردار:

صحت کا شعبہ اس وقت چار بڑے اہداف (Quadruple Aim) کے حصول کی کوشش کر رہا ہے: عوامی صحت میں بہتری، مریضوں اور تیمارداروں کے تجربے کو بہتر بنانا، اخراجات میں کمی اور طبی عملے کی فلاح و بہبود۔ تاہم، بڑھتے ہوئے اخراجات، دائمی بیماریوں (جیسے شوگر، امراض قلب اور کینسر)، عدم مساوات، ذہنی صحت کے مسائل، اور بڑھتی ہوئی عمر جیسے مسائل کی وجہ سے ان اہداف کا حصول مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ مزید برآں، سائبر حملے اور ماحولیاتی تبدیلیاں بھی نظامِ صحت کے لیے چیلنج بنے ہوئے ہیں۔

حکومتیں، ریگولیٹرز اور صحت عامہ کے ذمہ دار ادارے اب علاج کے ماڈلز میں جدت لانے کے لیے دباؤ میں ہیں۔ کووڈ-19 کی وبا نے ایک موثر اور لچک دار نظامِ صحت کی ضرورت کو مزید اجاگر کر دیا ہے۔ ان چیلنجز سے نمٹنے کے لیے اب ڈیٹا پر مبنی بصیرت (Data-driven insights) پر انحصار کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ اس کا کلیدی حل اے آئی اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجیز کے انضمام میں پوشیدہ ہے۔ موبائل ٹیکنالوجی، کمپیوٹر کی طاقت اور ڈیٹا سیکیورٹی میں ترقی نے اے آئی کے ذریعے علاج کی معیار کو بہتر بنانے اور طبی تحقیق و تعلیم کی رفتار بڑھانے کے نئے راستے کھول دیے ہیں۔

شعبۂ صحت میں اے آئی کے اطلاقات:

اے آئی تشخیص، سرجری، بحالی (rehabilitation) اور مرض کی تشخیصِ مابعد (prognosis) میں انقلابی مواقع فراہم کرتی ہے۔ یہ نظام ڈیٹا کے وسیع ذخیرے کا تجزیہ کر کے بیماریوں کے نمونوں کی شناخت اور علاج کے بہتر فیصلے کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ اے آئی پر مبنی خودکار ایجنٹ مخصوص طبی اہداف کے حصول کے لیے بہترین تجاویز پیش کر سکتے ہیں، جس سے "پرسنلائزڈ میڈیسن" (ذاتی نوعیت کا علاج) کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

صحت کے شعبے میں اے آئی کی زیادہ تر تحقیق کینسر،

اعصابی امراض اور امراضِ قلب پر مرکوز رہی ہے، کیوں کہ ان بیماریوں میں اموات کی شرح زیادہ ہے۔ مثال کے طور پر، "آئی بی ایم واٹسن فار آنکولوجی" کینسر کی تشخیص اور علاج کی منصوبہ بندی میں استعمال ہو رہا ہے۔ اسی طرح اے آئی کے ذریعے فالج کے مریضوں کو حرکت دینے اور مصنوعی اعضا کو کنٹرول کرنے میں مدد دی جا رہی ہے۔ امراضِ قلب میں اے آئی جدید امیجنگ کے ذریعے دل کی حالتوں کو پہچاننے میں معاونت کرتی ہے۔

بیماریوں کو بڑھنے سے روکنے کے لیے بروقت تشخیص انتہائی ضروری ہے، اور اے آئی میڈیکل امیجنگ، جینیاتی تجزیہ اور الیکٹرانک میڈیکل ریکارڈز (EMR) کے تجزیے میں بہترین کارکردگی دکھاتی ہے۔ اس کے علاوہ، اے آئی پر مبنی "چیٹ بوٹس" اور ورچوئل اسسٹنٹس مریضوں کو اپوانٹمنٹس طے کرنے اور ادویات کی یاددہانی کرانے میں مدد دیتے ہیں۔

اے آئی کے چیلنجز اور حدود:

اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود، اے آئی کے طبی استعمال میں کچھ چیلنجز بھی درپیش ہیں، مثلاً: ◘ ڈیٹا کا معیار اور درستی ◘ ریگولیٹری اور قانونی ڈھانچہ ◘ کلینیکل توثیق اور بھروسا مندی ◘ سائبر سیکورٹی کے خطرات ◘ عملے کی تربیت۔

ماضی میں اے آئی کی کچھ ناکامیاں بھی سامنے آئی ہیں، مثلاً گوگل کے ایک ٹول نے بریسٹ کینسر کی غلط تشخیص کی، اور آئی بی ایم واٹسن نے بعض اوقات ڈیٹا کی کمی کی وجہ سے علاج کی غلط تجاویز دیں۔ یہ مثالیں واضح کرتی ہیں کہ اے آئی کے استعمال میں انسانی نگرانی اور اخلاقی ضوابط کا ہونا کتنا ضروری ہے۔

اے آئی اور طبِ یونانی کا سنگم:

آج کے جدید دور میں روایتی طبی نظاموں (جیسے طبِ یونانی) اور اے آئی کا ملاپ ایک نئی امید بن کر ابھرا ہے۔ طبِ یونانی ایک جامع (Holistic) طریقہ علاج ہے جو جسم، دماغ، جذبات اور روحانی پہلوؤں کے درمیان توازن پر زور دیتا ہے۔

اے آئی اپنے ڈیٹا تجزیہ اور پیشن گوئی کی صلاحیتوں کے ذریعے طبِ یونانی کے فلسفے کو مزید تقویت دے سکتی ہے۔ تاہم اس راہ میں کچھ رکاوٹیں بھی ہیں:

1. **ڈیٹا کی کمی** :طبِ یونانی میں ڈیجیٹل ڈیٹا اور اصطلاحات کی یکسانیت کی کمی ہے۔
2. **پرائیویسی** :مریضوں کی حساس معلومات کا تحفظ ضروری ہے۔
3. **انسانی پہلو** :اے آئی کو معالج کی مدد کرنی چاہیے، نہ کہ اس کی جگہ لینی چاہیے، تاکہ مریض اور معالج کا جذباتی رشتہ برقرار رہے۔

مستقبل کے مواقع:

اے آئی طبِ یونانی کو "پرسنلائزڈ میڈیسن" کے ذریعے آگے بڑھا سکتی ہے، جہاں مریض کے جینیاتی اور ماحولیاتی عوامل کا تجزیہ کر کے اس کے لیے مخصوص ہربل علاج اور طرزِ زندگی تجویز کیا جا سکے۔ اس سے روایتی علاج کے پیچھے چھپے سائنسی میکانزم کو سمجھنے اور اسے جدید طب کے ساتھ مربوط کرنے میں مدد ملے گی۔

فی الحال اے آئی نظام زیادہ تر پیٹرن پہچاننے پر انحصار کرتے ہیں، لیکن مستقبل میں ان میں انسانی کلینیکل منطق اور وجدان (Intuition) بھی پیدا ہو جائے گا۔ اے آئی پہننے والے آلات (Wearable devices) اور سینسرز کے ساتھ مل کر ایک ایسا نظام بنائے گی جو مریض کی صحت، نیند اور سانس لینے کے عمل کی مسلسل نگرانی کرے گا۔

مصنوعی ذہانت صحت کے شعبے کو زیادہ ذاتی، موثر اور قابلِ رسائی بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ تاہم، اس کے نفاذ میں اخلاقی اقدار اور انسانی ہمدردی کے عنصر کو برقرار رکھنا لازمی ہے۔ اگر ہم تکنیکی جدت اور اخلاقی ذمہ داری کے درمیان توازن برقرار رکھیں، تو اے آئی انسانی صحت کو بہتر بنانے کا ایک طاقتور ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔ □□□

چراغ خانہ

طہارت کا اسلامی تصور اور خواتین

سلمیٰ شاہین امجدی

اسلام نے انسان کو صرف جینے کا طریقہ نہیں دیا بلکہ پاکیزہ جینے کا سلیقہ عطا کیا ہے۔ یہ پاکیزگی محض جسم کی صفائی تک محدود نہیں بلکہ سوچ، نیت، دل، کردار اور عبادت سب کو شامل ہے۔ اسی جامع پاکیزگی کو شریعت کی زبان میں طہارت کہا جاتا ہے۔ ایک مسلمان عورت کی زندگی میں طہارت کی اہمیت دوہری ہو جاتی ہے، کیوں کہ وہ صرف اپنی ذات کی عبادت گزار نہیں بلکہ ایک گھر کی روحانی فضا کی معمار، نسلوں کی پہلی معلمہ اور معاشرے کی اخلاقی بنیاد ہوتی ہے۔ اس کی پاکیزگی صرف اس کی ذاتی نجات کا ذریعہ نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کے ایمان کی حفاظت کا بھی سبب بنتی ہے۔ قرآن مجید نے طہارت کو اللہ کی محبت کے ساتھ جوڑ کر اس کی عظمت کو واضح کر دیا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ

(سورۃ البقرۃ:222)

ترجمہ: بے شک اللہ پسند رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔

یہاں باطنی طہارت (توبہ) اور ظاہری طہارت (جسمانی پاکیزگی) کو ایک ساتھ ذکر کر کے یہ پیغام دیا گیا کہ اللہ کے نزدیک مکمل پاکیزگی وہ ہے جس میں دل بھی صاف ہو اور جسم بھی۔ اسی حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ. (صحیح مسلم، کتاب الطہارہ:223)

طہارت ایمان کا نصف حصہ ہے۔

گویا طہارت کوئی معمولی فقہی مسئلہ نہیں بلکہ ایمان کی عمارت کا مضبوط ستون ہے۔ جب یہ ستون کمزور ہوتا ہے تو عبادت کی روح بھی متاثر ہوتی ہے اور زندگی سے وہ نور کم ہونے لگتا ہے جو بندگی سے پیدا ہوتا ہے۔

وضو اور غسل بظاہر سادہ اعمال ہیں مگر حقیقت میں یہ بندے کو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کی روحانی تیاری عطا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے وضو کے بارے میں فرمایا کہ جب بندہ اچھی طرح وضو کرتا ہے تو اس کے اعضاء سے گناہ جھڑتے جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب الطہارہ:244)

یہ تصور وضو کو محض پانی ڈالنے کا عمل نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے ایک باطنی صفائی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ چہرہ دھونا صرف چہرہ صاف کرنا نہیں بلکہ ان نظروں کی معافی بھی ہے جو بے احتیاطی سے ادھر اُدھر گئیں۔ ہاتھ دھونا صرف ظاہری میل ہٹانا نہیں بلکہ ان اعمال کی صفائی کی دعا بھی ہے جو اللہ کو پسند نہ تھے۔ پاؤں دھونا صرف گرد صاف کرنا نہیں بلکہ ان راستوں سے توبہ بھی ہے جن کی طرف قدم غلطی سے اٹھ گئے۔

اسی طرح قرآن کا حکم:

وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا۔ (سورۃ المائدہ:6)

یہ اعلان کرتا ہے کہ عبادت کے لیے جسمانی آمادگی بھی ضروری ہے۔ یہاں ایک اہم عملی پہلو آج کی خواتین کے لیے قابلِ توجہ ہے۔ طہارت کے مسائل جاننے کے باوجود بعض لڑکیاں اور عورتیں پاک ہونے کے بعد غسل میں تاخیر کر دیتی ہیں۔ کبھی سستی، کبھی مصروفیت، کبھی لاپرواہی۔ حالاں کہ جیسے ہی پاکی حاصل ہو جائے، نماز کی ادائیگی کے لیے جلد غسل کرنا ضروری ہے۔ ظہر کے وقت پاک ہونے والی اگر عصر تک غسل مؤخر کرتی ہے تو یہ محض تاخیر نہیں بلکہ عبادت کے حق میں کوتاہی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات جنابت کے غسل میں پوری احتیاط نہیں کی جاتی، جس سے عبادت کی صحت متاثر ہو سکتی ہے۔ طہارت میں سستی دراصل عبادت کی بنیاد کو کمزور کرنے کے مترادف ہے۔

پہلے زمانوں کی عورتوں کی زندگی سہولتوں سے خالی تھی مگر

طہارت کے معاملے میں وہ مضبوط تھیں۔ کنوؤں سے پانی بھرنا، ٹھنڈے موسم میں غسل کرنا، کچے گھروں میں رہنا۔ یہ سب معمول تھا، مگر نماز سے پہلے طہارت میں کوتاہی نہیں ہوتی تھی۔ پانی نہ ملتا تو تیمم کر لیتیں، کیوں کہ انھیں معلوم تھا کہ بندگی چھوڑنے کا بہانہ نہیں، راستہ تلاش کرنے کا نام ہے۔ قرآن نے اسی آسانی کو یوں بیان فرمایا:

فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

(سورۃ المائدہ:6)

یہ رعایت عبادت سے چھوٹ نہیں بلکہ عبادت کو ہر حال میں قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔

حیض ونفاس: رخصت، مگر تعلق برقرار:

حیض اور نفاس کے ایام عورت کی فطری زندگی کا حصہ ہیں۔ اسلام نے ان ایام میں نماز اور روزہ معاف کر کے عورت پر آسانی فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ ہمیں روزوں کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا مگر نماز کی قضا کا نہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الحیض، حدیث نمبر335)

یہ رخصت دراصل رحمت ہے، محرومی نہیں۔ شریعت نے نماز روکی ہے، اللہ سے تعلق نہیں۔ پہلے کی دین دار خواتین ان دنوں کو غفلت کا وقت نہیں بننے دیتی تھیں۔ وہ ذکر، دعا، درود شریف، استغفار اور دینی باتوں میں مشغول رہتیں۔ قرآن کی تلاوت نہ کر سکتیں تو ترجمہ سنتیں، بچوں کو دینی کہانیاں سناتیں، دل کو زندہ رکھتیں۔

آج مسئلہ یہ ہے کہ ان ایام کو بعض اوقات مکمل دینی وقفہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ عبادت رکتی ہے تو ذکر بھی رک جاتا ہے، دعا بھی کم ہو جاتی ہے، اور دل دنیا میں زیادہ الجھ جاتا ہے۔ یوں چند دنوں کی یہ ظاہری رخصت دل کے اندر مستقل کمزوری پیدا کر دیتی ہے۔ اصل سوچ یہ ہونی چاہیے کہ میں نماز نہیں پڑھ سکتی، مگر اللہ کو یاد تو کر سکتی ہوں۔ یہی سوچ اس وقفے کو بھی روحانیت کا ذریعہ بنا دیتی ہے۔

باطنی طہارت اور عورت کا اثر:

طہارت کا ایک پہلو وہ ہے جو نظر آتا ہے، اور ایک وہ جو صرف اللہ دیکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ. (صحیح بخاری، کتاب الإیمان 52)

دل کی اصلاح کے بے غیر ظاہری طہارت ادھوری ہے۔ حسد، بغض، دکھاوا، فضول مشغلے۔ یہ سب دل کو آلودہ کرتے ہیں۔

آج کے ڈیجیٹل دور میں یہ آلودگی اور تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ نتیجہ یہ کہ وضو تو ہو جاتا ہے مگر دل میں وہ نور پیدا نہیں ہوتا جو پہلے ہوا کرتا تھا۔

تاریخ میں ایسی خواتین بھی گزری ہیں جو بظاہر کمزور حیثیت رکھتی تھیں۔ کوئی کنیز تھی، کوئی خدمت گزار، کوئی معاشی طور پر مجبور۔ مگر ان کے دل عبادت میں مضبوط تھے۔ دن بھر کی مشقت کے بعد رات کی تنہائی میں اپنے رب کے سامنے کھڑی ہو جاتیں۔ ان کے پاس علم کم تھا مگر اخلاص زیادہ تھا۔ یہ مثالیں ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ اللہ کے ہاں مقام وسائل سے نہیں، دل کی حالت سے بنتا ہے۔

ایک عورت جب طہارت کے شعور کے ساتھ زندگی گزارتی ہے تو اس کا اثر اس کی ذات سے آگے بڑھتا ہے۔ اس کی بیٹی اس سے سیکھتی ہے، اس کا بیٹا اس کی پاکیزگی دیکھتا ہے، اس کا گھر نورانی بنتا ہے۔ اگر وہ طہارت میں سستی کرے گی تو یہی غفلت نسلوں میں منتقل ہو گی۔ اسی لیے ضروری ہے کہ مائیں بیٹیوں کو بلوغت سے پہلے طہارت کے مسائل سکھائیں، شرم کی وجہ سے دین کا علم نہ روکا جائے۔

آخر کار طہارت صرف پانی کا استعمال نہیں بلکہ یہ احساس ہے کہ میں اپنے رب کے سامنے کھڑی ہونے والی ہوں۔ میرا جسم بھی پاک ہو، میرا دل بھی صاف ہو، میری نیت بھی خالص ہو۔ جب یہ شعور زندہ ہو جاتا ہے تو عبادت بوجھ نہیں رہتی بلکہ سکون بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ظاہری اور باطنی طہارت کا صحیح فہم عطا فرمائے، اس پر استقامت نصیب فرمائے، اور ہمیں ایسی خواتین میں شامل فرمائے جن کی پاکیزگی سے گھر، نسلیں اور معاشرہ روشن ہو جائیں۔ آمین۔۔□□□

فکر و نظر

رمضان المبارک

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

رمضان کے گم نام خدمت گزار

از: ڈاکٹر مفتی محمد سبطین رضا مرتضوی

رمضان المبارک محض بھوک اور پیاس کے ایک مخصوص دورانیے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ انسانیت کی فلاح، ہمدردی اور باہمی غم خواری کا ایک عظیم تربیتی کورس ہے۔ جب ہلال رمضان اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان پر نمودار ہوتا ہے، تو یہ اپنے ساتھ انوار و تجلیات کا وہ سیل رواں لاتا ہے جو انسانی قلوب کو نرم کر دیتا ہے۔ اس مہینے میں جہاں مساجد ذکر و اذکار سے آباد ہوتی ہیں، وہیں ایک بڑی عبادت ان "گمنام خدمت گزاروں" کے ذریعے انجام پاتی ہے جو معاشرے کے پس منظر میں رہ کر دوسروں کی سہولت کے لیے اپنی راحتیں قربان کر دیتے ہیں۔

اسلام میں بندگی کے دو بڑے حقوق ہیں: حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ رمضان ان دونوں کے حسین امتزاج کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کی مخلوق کی خدمت کرنا ایک ایسا عمل ہے جسے احادیث مبارکہ میں عظیم مقام عطا کیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے نہ صرف خود خدمت خلق کی مثالیں قائم کیں بلکہ اپنی امت کو بھی اس کی ترغیب دی۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق، نبی کریم ﷺ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ سخی تھے، اور رمضان المبارک میں آپ ﷺ کی سخاوت خیر کے معاملے میں بارش لانے والی تیز ہوا سے بھی زیادہ بڑھ جایا کرتی تھی:

"كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ ..." [بخاری، کتاب بدء الوحی، رقم الحدیث:6]

یہ جود و سخا صرف مال دینے تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس میں وقت کی قربانی، جسمانی مشقت اور دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنا بھی شامل تھا۔

خدمت خلق کی فضیلت: خدمت گزاروں کی فضیلت اس حدیث سے واضح ہوتی ہے جو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا، نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ، يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ..."

ایڈیٹر سہ ماہی صدائے مناظر اہلسنت، اتر دیناج پور، بنگال sibtainraza160@gmail.com-297289394

جس نے کسی مومن کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی، اللہ تعالیٰ قیامت کی تکلیفوں میں سے اس کی تکلیف دور فرمائے گا، اور جس نے کسی تنگ دست کے لیے آسانی پیدا کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لیے آسانی پیدا فرمائے گا۔[مسلم، کتاب الذکر والدعاء، رقم الحدیث:2699]

لیکن اس عظیم فضیلت کے حصول کے لیے اسلام نے ایک شرط لازم رکھی ہے، اور وہ ہے "اخلاص"۔ خدمت خلق کی اس دوڑ میں اجر اسی کا ہے جو صلے کی تمنا اور شہرت کی طلب سے بے نیاز ہو کر کام کرے۔ اور رمضان میں یہ جذبہ اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ جب ایک خادم مسجد کے صحن میں خاموشی سے جھاڑو دیتا ہے یا ایک عورت کچن میں کھڑے ہو کر افطار بناتی ہے، تو ان کا یہ عمل ان کے اور اللہ کے درمیان ایک ایسا راز ہوتا ہے جس میں کسی شہرت کی گنجائش نہیں ہوتی۔

گھر کی مستورات: رمضان المبارک کی گمنام خدمت گزاروں کی فہرست میں سب سے پہلا اور معتبر نام گھر کی خواتین کا ہے۔ جدید دور میں جہاں زندگی کی سہولیات بدل گئی ہیں، وہاں مشقتوں کی نوعیت بھی بدل گئی ہیں۔ آج کے دور میں اگرچہ مٹی کے چولہے اور لکڑیوں کا دھواں کم ہو گیا ہے، لیکن گیس کے چولہوں اور تپتے ہوئے جدید باورچی خانوں میں ان کی خدمت کا جذبہ وہی قدیم اور مخلصانہ ہے۔ رمضان کی دوپہروں میں جب باہر کا درجہ حرارت بڑھ رہا ہوتا ہے، تو کچن کے اندر گیس کے برنرز کی تپش اور بند ماحول کی گھٹن ایک الگ امتحان بن جاتی ہے۔ ایک روزہ دار خاتون کے لیے اس حبس اور تپش میں کھڑے ہو کر کئی گھنٹے سحری اور افطار کی تیاری کرنا معمولی بات نہیں۔ وہ خود پیاسی ہوتی ہیں، لیکن ان کی فکر یہ ہوتی ہے کہ دستر خوان پر ہر ایک کی پسند کا کھانا موجود ہو اور کسی کو تکلیف نہ ہو۔ ان کا یہ عمل محض ایک "گھریلو ڈیوٹی" نہیں، بلکہ ایک عظیم بندگی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو کھانا کھلانے کی عظیم فضیلت بیان فرمائی ہے۔ جامع ترمذی کی روایت ہے:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ... تَدْخُلُوا الجَنَّةَ بِسَلَامٍ"

اے لوگو! سلام کو عام کرو، اور کھانا کھلاؤ... تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

[ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، رقم الحدیث:2485]

جب پورا گھرانہ میٹھی نیند کے مزے لے رہا ہوتا ہے، گھر کی یہ گمنام خدمت گزار خواتین رات کے پچھلے پہر اٹھ کر گیس کے چولہے روشن کرتی ہیں۔ وہ نیند کی قربانی دے کر اس لیے جاگتی ہیں تاکہ گھر کے ہر فرد کو تازہ اور گرم سحری میسر آسکے۔ ان کی اس قربانی میں جو اخلاص چھپا ہوتا ہے، وہ اللہ کے ہاں بہت بلند مقام رکھتا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹایا کرتے تھے: "كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ... فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ" آپ ﷺ اپنے گھر والیوں کی خدمت (گھر کے کام کاج) میں لگے رہتے تھے، پھر جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

[بخاری، کتاب الاذان، رقم الحدیث:676]

اس سنت سے ثابت ہوتا ہے کہ گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرنا اور ان کی خدمت کرنا کوئی دنیاوی کام نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شیوہ اور عظیم سنت ہے۔

افطار کے وقت جب مرد حضرات مساجد یا دستر خوانوں پر دعاؤں میں مصروف ہوتے ہیں، یہ خواتین اکثر آخری لمحات تک برتن سمیٹنے، پانی بھرنے اور دستر خوان سجانے میں مصروف رہتی ہیں۔ وہ اکثر اپنا روزہ ایک کھجور اور پانی کے گھونٹ سے کھولتی ہیں کیونکہ ان کی ترجیح دوسرے ہوتے ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا"

جس نے کسی روزے دار کا روزہ افطار کروایا، اسے بھی

روزے دار کے برابر اجر ملے گا، بغیر اس کے کہ روزے دار کے اجر میں کوئی کمی کی جائے۔[ابن ماجہ، کتاب الصیام، رقم الحدیث:1746]

سوچیے، وہ خاتون جو پورے گھرانے کے روزے کا انتظام کر رہی ہے، اس کے نامہ اعمال میں کتنے روزوں کا اجر لکھا جا رہا ہوگا! یہ وہ اجر ہے جس کا ادراک مادی آنکھ نہیں کر سکتی۔

خدا کے گھر کے خاموش پہریدار: گھروں سے نکل کر اگر ہم مساجد کا رخ کریں، تو وہاں ہمیں وہ سفید پوش خادم نظر آتے ہیں جو کسی شہرت کے طالب نہیں ہوتے۔ رمضان میں مساجد کی رونقیں بڑھ جاتی ہیں، نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ ہی مسجد کے خادم کی ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اگر اکثر مساجد میں اب ویکیوم کلینر (Vacuum Cleaners) اور بڑے پنکھے یا اے سی (AC) موجود ہیں، لیکن ان کا نظم و ضبط برقرار رکھنا، روزانہ ہزاروں نمازیوں کے وضو کے لیے پانی کا انتظام کرنا اور صفوں کو معطر رکھنا ایک تھکا دینے والا کام ہے۔ یہ خادم سحری سے پہلے اٹھ کر مسجد کے دروازے کھولتے ہیں اور عشاء و تراویح کے بہت دیر بعد جب آخری نمازی چلا جاتا ہے، تب کہیں جا کر آرام کرتے ہیں۔

خانۂ خدا کی خدمت وہ سعادت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سونپی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾[البقرہ:125]

ترجمہ: ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم و اسماعیل کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع و سجود والوں کے لیے۔[کنزالایمان]

راہ گیروں کے میزبان: رمضان المبارک میں ایک بہت ہی دلکش منظر وہ ہوتا ہے جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے اور لوگ اپنے گھروں کی طرف لپک رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت شہر کی مصروف شاہراہوں، چوراہوں اور گلیوں کے موڑ پر کچھ گمنام نوجوان اور بزرگ ہاتھوں میں پانی کی بوتلیں، کھجوریں اور سادہ افطاری لیے کھڑے نظر آتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ڈیوٹی کسی نے نہیں لگائی، بلکہ ان کا محرک صرف وہ جذبہ ہے جو انہیں دوسروں کا روزہ وقت پر کھلانے پر ابھارتا ہے۔

اسلام میں پانی پلانا عظیم ترین صدقات میں سے ایک ہے۔ خاص طور پر جب کوئی شخص پیاسا ہو اور روزے سے ہو۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سَقْيُ الْمَاءِ" پانی پلانا۔[ابن ماجہ، کتاب الادب، رقم الحدیث:3684]

یہ گمنام خدمت گزار سڑکوں پر کھڑے ہو کر اسی سنت کی آبیاری کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ سامنے والا امیر ہے یا غریب، واقف ہے یا اجنبی؛ ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ کسی کا روزہ وقت مقررہ پر کھل جائے اور اللہ کے حضور ان کا نام بھی خدمت گزاروں میں لکھ دیا جائے۔

ان رضاکاروں کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ سفر کی حالت میں روزہ کھولنا ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روزے سے تھے اور کچھ نے روزہ نہیں رکھا تھا۔ موسم گرمی کا تھا، ہم میں زیادہ بہتر سایہ جو کوئی کرتا، اپنا کمبل تان لیتا۔ خیر جو لوگ روزے سے تھے وہ کوئی کام نہ کر سکے تھے اور جن حضرات نے روزہ نہیں رکھا تھا تو انہوں نے ہی اونٹوں کو اٹھایا، پانی پلایا اور روزہ داروں کی خوب خوب خدمت بھی کی اور دوسرے تمام کام کیے۔ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ذَهَبَ الْمُفْطِرُونَ الْيَوْمَ بِالأَجْرِ"

آج روزہ نہ رکھنے والے (خدمت کرنے والے) سارا اجر لے گئے۔[بخاری، کتاب الجہاد، رقم الحدیث:۲۸۹۰]

اس حدیث پاک سے واضح ہوتا ہے کہ روزے داروں کے آرام وراحت کا سامان کرنا، ان کے کام کاج میں ہاتھ بٹانا اور ان کی جسمانی مشقت کو ہلکا کرنا اللہ کے نزدیک کتنا عظیم عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے داروں کی ان خدمات کو (جو ان کے ساتھیوں نے انجام دیں) اس قدر اہمیت دی کہ اسے اس دن کے بہترین اجر کا مستحق قرار دیا۔ لہٰذا جو لوگ رمضان میں خدمت کی غرض سے سڑکوں پر کھڑے ہوتے ہیں یا روزے داروں کے لیے سہولیات فراہم کرتے ہیں، وہ دراصل اسی سنت خدمت کی پیروی کر رہے ہوتے ہیں تاکہ عبادت گزاروں کی مشقت کم ہو سکے۔

خاموش مخیر حضرات: رمضان کی راتوں کا ایک پہلو وہ ہے جہاں تراویح کی گونج ہے، اور دوسرا پہلو وہ ہے جہاں کچھ لوگ خاموشی سے انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے محلے یا شہر کے سفید پوشوں کی عزت نفس کا خیال رکھتے ہوئے ان کی مدد کرتے ہیں۔ وہ افطار کی بڑی بڑی پارٹیاں دینے اور تصاویر کھنچوانے کے بجائے اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ کسی غریب کے گھر میں چولہا جلے اور اس کے بچے سحری وافطاری سکون سے کر سکیں۔

ان کا یہ عمل اس مشہور حدیث کے عین مطابق ہے جس میں عرش الٰہی کے سائے میں جگہ پانے والے سات خوش نصیبوں کا ذکر ہے:

"...وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ"

ترجمہ: ...اور وہ شخص جس نے صدقہ کیا اور اسے ایسا چھپایا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ [بخاری، کتاب الاذان، رقم الحدیث:660]

رمضان میں مہنگائی کے اس دور میں جہاں عام آدمی کا جینا مشکل ہے، یہ گمنام خدمت گزار کسی مسیحا سے کم نہیں ہوتے۔ وہ بیواؤں، یتیموں اور مساکین کے گھروں پر رات کے اندھیرے میں راشن کی بوریاں پہنچا دیتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"السَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ وَالمِسْكِينِ، كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ"

بیوہ اور مسکین کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔

[بخاری، کتاب النفقات، رقم الحدیث:5353]

خلوت نشینوں کے دست وبازو: رمضان المبارک کا آخری عشرہ "عتق من النار" (آگ سے آزادی) کا عشرہ ہے، جس میں مسلمان بڑی تعداد میں مساجد میں اعتکاف بیٹھتے ہیں۔ جہاں یہ معتکفین اللہ سے لو لگائے گوشہ نشین ہوتے ہیں، وہیں کچھ ایسے گمنام نوجوان اور خدمت گزار ہوتے ہیں جو ان کی سحر و افطار، وضو کے پانی اور دیگر ضروریات کا انتظام سنبھالتے ہیں۔ اعتکاف میں بیٹھے شخص کی ضرورت پوری کرنا اور اس کے لیے سہولت پیدا کرنا اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ عمل ہے۔ اگرچہ معتکف خود ایک عظیم عبادت میں ہے، لیکن اس کی خدمت کرنے والا بھی اجر میں اس کے برابر شریک ہوتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تو وہ آپ ﷺ کی ضرورت کا خیال رکھتیں، مثلاً سر مبارک دھونا یا کنگھی کرنا۔ [بخاری، کتاب الحیض، رقم الحدیث:296]

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے مقرب بندوں کی دوران عبادت خدمت کرنا سنت مطہرہ ہے۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"لأَنْ أَمْشِيَ مَعَ أَخٍ فِي حَاجَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَكِفَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ شَهْرًا"

اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کے ساتھ چلنا، مجھے اس مسجد (مسجد نبوی) میں ایک ماہ کے اعتکاف سے زیادہ محبوب ہے۔ [معجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث:13646]

یہ گمنام خدمت گزار جو معتکفین کے لیے گھروں سے

کھانا لاتے ہیں یا مسجد میں ان کے آرام کا خیال رکھتے ہیں، وہ دراصل اس عظیم اجر کو سمیٹ رہے ہوتے ہیں جو نفل اعتکاف سے بھی بڑھ کر بتایا گیا ہے۔

عید کی خوشیوں کے گمنام تقسیم کار: رمضان کے اختتام پر جب عید کا چاند نظر آتا ہے، تو ہر شخص اپنے اہل وعیال کے ساتھ خوشیاں منانے کی تیاری کرتا ہے۔ لیکن یہاں بھی کچھ گمنام خدمت گزار ایسے ہوتے ہیں جن کی عید دوسروں کے آنسو پونچھنے میں گزرتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کی کوتاہیوں کو پاک کرنے اور غریبوں کی خوشی کے لیے "صدقہ فطر" واجب قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

"فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ."

اللہ کے رسول ﷺ نے زکوٰۃ الفطر کو روزے دار کے لیے لغو اور بیہودہ باتوں سے پاکی کا ذریعہ اور مسکینوں کے کھانے کا سامان قرار دے کر فرض کیا۔[ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، رقم الحدیث:1609]

وہ گمنام لوگ جو عید کی رات کو اپنی نیند قربان کر کے مستحقین کے گھروں تک فطرہ، نئے کپڑے اور عید کا سامان پہنچاتے ہیں، وہ دراصل نبوی مشن کے وارث ہیں۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ جب عید کی صبح ہو، تو کسی یتیم کا چہرہ اداس نہ ہو اور کسی بیوہ کے گھر میں فاقہ نہ ہو۔ ان کی عید کی نماز کی خوشی اس وقت دوچند ہو جاتی ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کی خاموش محنت سے کئی گھروں میں چولہے جل رہے ہیں۔

خدمت خلق کا نفسیاتی اور سماجی اثر: رمضان کے یہ گمنام خدمت گزار صرف ثواب نہیں کما رہے، بلکہ وہ معاشرے کی اخلاقی بنیادوں کو مضبوط کر رہے ہیں۔ جب ایک نوجوان کسی اجنبی کو پانی پلاتا ہے یا ایک پڑوسی دوسرے کے گھر خاموشی سے افطار بھیجتا ہے، تو اس سے معاشرے میں "محبت اور ایثار" کا وہ بیج بویا جاتا ہے جو نفرتوں کو ختم کر دیتا ہے۔ صحیح مسلم کی مشہور حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى"

مومنوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے، رحم کرنے اور ہمدردی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے، جب جسم کا ایک عضو تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہوتا ہے۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، رقم الحدیث:2596]

یہ گمنام خدمت گزار اسی "جسد واحد" کی زندہ مثال ہیں۔ وہ معاشرے کے اس درد کو محسوس کرتے ہیں جسے عام آنکھ نہیں دیکھ پاتی۔ ان کی گمنامی ان کے اخلاص کی دلیل ہے اور ان کا عمل معاشرے کے بکھرے ہوئے مہر و وفا کے رشتوں کو جوڑنے کا ذریعہ ہے۔

اخلاص بمقابلہ ریاکاری: مضمون کے اس موڑ پر پہنچ کر یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ ہم نے اس پوری تحریر میں "گمنامی" کے لفظ کا تکرار کیوں کیا ہے، اور کیوں اس کا عنوان ہی "رمضان کے گمنام خدمت گزار" رکھا گیا ہے۔ دراصل "گمنامی" یہاں محض ایک صفت کے طور پر استعمال نہیں ہوئی، بلکہ یہ عمل کی قبولیت اور "ریاکاری" کے خلاف ایک مضبوط ڈھال ہے۔ موجودہ دور میں جہاں ہر نیکی کی نمائش کا رواج چل پڑا ہے، وہاں خدمت خلق کے ساتھ "گمنامی" کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے تاکہ ہمارا عمل دنیا کی نظروں سے اوجھل اور صرف اللہ کی نظر میں معتبر رہے۔ اگر خدمت میں گمنامی نہیں، تو اخلاص کا بچنا محال ہے، اور اگر اخلاص نہیں تو پھر بظاہر پہاڑ جیسا نظر آنے والا عمل بھی اللہ کے ہاں رائی برابر وزن نہیں رکھتا۔

رمضان المبارک میں خدمت خلق کے جتنے بھی کام بیان کیے گئے ہیں، ان کی حیثیت ایک جسم کی سی ہے اور "اخلاص" اس جسم کی روح ہے۔ اگر روح موجود ہے تو یہ جسم زندہ اور معتبر ہے، لیکن اس جوہر کے بغیر یہ ایک ایسا مردہ ڈھانچہ

ہے جس کی اللہ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اسلام میں عمل کی قیمت اس کی ظاہری مقدار سے نہیں، بلکہ نیت کی سچائی سے لگائی جاتی ہے۔ صحیح بخاری کی سب سے پہلی حدیث اسی حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ: "إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى..." اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ [بخاری:1]

اگر ایک نوجوان سڑک پر کھڑا ہو کر پانی پلا رہا ہے یا کوئی خاموشی سے کسی غریب کی مالی مدد کر رہا ہے، اور ان کے دل میں صرف یہ تڑپ ہے کہ "میرا رب مجھ سے راضی ہو جائے" تو مبارک باد کے مستحق ہیں وہ لوگ۔ ان کے پلائے ہوئے پانی کا ایک ایک قطرہ اور اس راہ میں اٹھنے والا ان کا ہر قدم اللہ کے ہاں پہاڑ جتنے اجر کا سبب بنے گا۔ دوسری طرف وہ ہولناک صورتحال ہے جس نے آج ہمارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے؛ یعنی اگر خدمت خلق کا مقصد محض دنیا کو دکھانا، واہ واہ سمیٹنا یا سوشل میڈیا پر اپنی "سخاوت" کا سکہ جمانا ہو، تو یہ عمل نہ صرف بے جان ہے بلکہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے والا ہے۔ آج کل یہ عام منظر ہے کہ کسی غریب کے گھر راشن دیا جاتا ہے تو پہلے کیمرہ تیار کیا جاتا ہے۔ کسی یتیم کو کپڑا پہنایا جاتا ہے تو اس کی مجبوری اور غربت کو تصویر کی شکل میں انٹرنیٹ پر اپ لوڈ کر دیا جاتا ہے۔

یاد رکھیے! یہ "خدمت" نہیں بلکہ اس غریب کی عزت نفس کی نیلامی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسی ہی صورت حال کے بارے میں متنبہ فرمایا تھا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ: "قیامت کے دن ایک سخی کو لایا جائے گا جس نے بہت مال خرچ کیا ہوگا۔ اللہ پوچھے گا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے تیری راہ میں خرچ کیا۔ اللہ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے اس لیے خرچ کیا تھا تاکہ لوگ تجھے "سخی" کہیں، اور وہ دنیا میں کہہ دیا گیا۔ پھر اسے اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ [مسلم، کتاب الامارۃ، رقم الحدیث:۱۹۰۵]

سیلفی کلچر کا زہر: رمضان کے مقدس مہینے میں "سیلفی کلچر" نے اخلاص کے جوہر کو بری طرح نقصان پہنچایا ہے۔ جب ہم کسی کو کھانا کھلاتے ہوئے یا امداد دیتے ہوئے تصویر کھینچتے ہیں، تو دراصل ہم اس نیکی کو اللہ کے بینک سے نکال کر فیس بک اور انسٹاگرام کے "لائیکس" کی نذر کر دیتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ." بے شک اللہ تمھاری صورتوں اور تمھارے مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمھارے دلوں اور تمھارے عملوں کو دیکھتا ہے۔ [مسلم، کتاب البر والصلۃ رقم الحدیث:2564]

اصل خدمت گزار کون؟ حقیقی معنوں میں رمضان میں خدمت کرنے والے وہ ہیں جو موبائل فون کے کیمروں سے دور رہ کر، خاموشی سے کسی بیوہ کے گھر سحری کا انتظام کرتے ہیں اور اس طرح چھپ کر دیتے ہیں کہ ان کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ دائیں نے کیا دیا ہے۔ ان کا حسن ہی یہ ہے کہ وہ اپنی نیکیوں کو اس طرح چھپاتے ہیں جیسے لوگ اپنے گناہوں کو چھپاتے ہیں۔ اگر خدمت میں اخلاص ہے تو وہ "نور" ہے، اور اگر اس میں ریاکاری اور نمائش شامل ہوگئی تو وہ مشقت تو ہے مگر اجر سے خالی ایک تماشہ ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم اللہ کو راضی کرنے نکلے ہیں یا اپنی تشہیر کرنے؟

کامیابی اور بربادی کا ترازو: چنانچہ اس تمام بحث کا لب لباب یہ ہے کہ رمضان میں خدمت کرنے والے یہ تمام طبقے ایک نازک شاہراہ پر کھڑے ہیں۔ اگر ان کی پشت پر "خلوص" کی قوت موجود ہے، تو ان کا کچن میں تپنا، سڑکوں پر دھول پھانکنا اور راتوں کو جاگ کر راشن پہنچانا ان کے لیے سعادت دارین اور "ماشاءاللہ" کا مصداق ہے۔ لیکن اگر یہی کام "ریاکاری" کی نذر ہو گئے، تو یہ تمام مشقت محض ایک رائیگاں تماشہ ہے جس کا انجام سوائے بربادی اور حسرت کے کچھ نہیں۔ یہ ایک ایسا ترازو ہے جس کا پلڑا نیت کی ذرا سی

لغزش سے بدل جاتا ہے۔ یہ مقام فکر ہے ان تمام لوگوں کے لیے جو خدمت کے میدان میں اترتے ہیں۔

ہمیں ہر لمحہ اپنے نفس کا محاسبہ کرنا ہوگا کہ ہم کسی کی پیاس بجھا کر اپنی شہرت کی پیاس تو نہیں بجھا رہے؟ کسی کو کپڑا پہنا کر اپنی انا کو تو نہیں ڈھانپ رہے؟ رمضان ہمیں یہی تمیز سکھانے آتا ہے۔ یہ مہینہ ہمیں "گمنامی کی لذت" سے آشنا کرتا ہے تاکہ ہم اس بربادی سے بچ سکیں جس کا ذکر حدیث نبوی میں ریاکار سخی کے حوالے سے آیا ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے کام کی قدر کریں، ان کی حوصلہ افزائی کریں، گھر کی خواتین کا شکریہ ادا کریں، مساجد کے خادموں کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں اور ان کی ضروریات کا خیال رکھیں، راہگیروں اور رضاکاروں کی حوصلہ افزائی کریں۔ مگر ساتھ ہی انہیں اور خود کو اس دکھاوے کے زہر سے بچنے کی تلقین بھی کرتے رہیں جو نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس رمضان المبارک میں صرف اپنی ذات تک محدود رہنے کے بجائے دوسروں کے لیے نفع بخش بنادے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم ◘

اپنے اوقات کو قیمتی بنائیں

از: محمد اشفاق عالم امجدی، بچھاری آباد پور کٹیہار (بہار)-7866936010

اسلامی شریعت کی اساس جن پانچ ارکان پر استوار ہے، اُن میں "صومِ رمضان" مقامِ قربِ الٰہی تک رسائی کا نہایت لطیف، دقیق اور اسرار آفریں وسیلہ ہے۔ رمضان المبارک اپنی بے پایاں رحمتوں، لامحدود برکتوں اور انوارِ الٰہیہ کے بے کنار سمندر کو اپنے دامن میں سمیٹے جب اہلِ ایمان پر سایہ فگن ہوتا ہے تو کائنات کے ذرّے ذرّے میں نورانی ہلچل پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ ماہِ مقدس ایمان و احتساب، تقویٰ و طہارت، صبر و رضا، بندگی و اطاعت اور قربِ الٰہی و شعورِ عبودیت کا ایسا درخشاں موسم ہے جس کی برکتوں سے ہر صاحبِ دل لبریز ہوجاتا ہے۔

یہ وہ مقدس مہینہ ہے جب درِ رحمت کشادہ کردیا جاتا ہے اور اللہ رب العزت اپنے بندوں کی طرف بے پناہ شفقت و محبت کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں۔ احادیثِ طیّبہ میں ارشاد ہے کہ رمضان کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا جہنم سے آزادی کا پروانہ ہے۔ اس ماہ کے ایّام و لیالی میں خیر و برکت کی مسلسل بارش ہوتی ہے؛ کوئی سائل خالی نہیں لوٹتا، کوئی امیدوار محروم نہیں ہوتا، کوئی گریہ کناں ناکام نہیں جاتا۔

جو خوش نصیب اس ماہِ مبارک کی آمد کے سال بھر سے آرزو رکھتے ہیں، ان کے لئے یہ مہینہ روحانی بہار لے کر آتا ہے، اور جو شخص اس سمندرِ رحمت میں بھی اپنا دامن تر نہ کرے، توبہ و انابت کی دولت حاصل نہ کرے اور نورانی اوقات کو غفلت کی نذر کردے، اس سے بڑھ کر محروم اور کون ہوگا؟

ایک حقیقی مؤمن کے لئے لازم ہے کہ اس ماہ کی عظمت کو سمجھتے ہوئے اپنے اوقات کو قیمتی بنائے۔ روزہ، تراویح، تلاوتِ قرآن، ذکر و اذکار، دعا و استغفار یہ سب اعمال اس مہینے کو روحانی کائنات کا مرکز و محور بنادیتے ہیں۔ جتنی کثرت سے نورانی اعمال بجا لائے جائیں گے، اتنی ہی دل میں لطافت، روح میں رفعت، قلب میں استنارت اور نفس میں پاکیزگی پیدا ہوتی جائے گی۔

اسی کے ساتھ یہ مہینہ گناہوں کے ترک کا بھی سخت مطالبہ کرتا ہے۔ جھوٹ، غیبت، بدگوئی، بہتان تراشی، حرام خوری، بدنظری اور دیگر معاصی سے بچنے میں رمضان سب سے زیادہ مددگار ہے، کیونکہ روزہ نفس کو کمزور اور روح کو طاقت ور کرتا ہے۔ جیسا کہ خالق ارض و سماء کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔ (البقرہ)

روزے کا مقصد آیت کے آخر میں بتایا گیا کہ روزے کا مقصد تقویٰ و پرہیز گاری کا حصول ہے۔ روزے میں چونکہ نفس پر سختی کی جاتی ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں سے بھی روک دیا جاتا ہے تو اس سے اپنی خواہشات پر قابو پانے کی مشق ہوتی ہے جس سے ضبطِ نفس اور حرام سے بچنے پر قوت حاصل ہوتی ہے اور یہی ضبطِ نفس اور خواہشات پر قابو وہ بنیادی چیز ہے جس کے ذریعے آدمی گناہوں سے رکتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

(ترجمہ) اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا۔ تو بیشک جنت ہی ٹھکانا ہے۔ (نازعات)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے جوانو! تم میں جو کوئی نکاح کی استطاعت رکھتا ہے وہ نکاح کرے کہ یہ اجنبی عورت کی طرف نظر کرنے سے نگاہ کو روکنے والا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جس میں نکاح کی استطاعت نہیں وہ روزے رکھے کہ روزہ قاطعِ شہوت ہے۔ (بخاری شریف: کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم الحدیث:5066)

اگر انسان ذرا سی ہمت اور ارادی قوت سے کام لے تو ان چند دنوں میں گناہوں سے چھٹکارا پانا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ رمضان میں جہاں معاصی سے اجتناب ضروری ہے، وہیں لہو و لعب، فضول مشاغل اور بے فائدہ مصروفیات سے کنارہ کشی بھی ناگزیر ہے۔ افسوس کہ بہت سے لوگ اس مقدس مہینے کو کھیل کود، تماشہ بینی، موبائل و انٹرنیٹ کی لغویات، فلم و ڈرامہ اور دیگر لایعنی مشغلوں کی نذر کر دیتے ہیں۔ یہ اپنی روحانی قسمت کے سودا کے مترادف ہے۔ رمضان دنیوی تفریحات کا نہیں بلکہ باطنی تزکیہ، اصلاحِ نفس اور تقویتِ ایمان کا مہینہ ہے۔

اس مہینے کی برکتیں ان ہی دلوں میں اترتی ہیں جو کینہ، حسد، بغض، عداوت اور بدگمانی سے پاک ہوں۔ حدیث میں آیا ہے کہ رمضان کی راتوں میں سب لوگوں کی مغفرت ہو جاتی ہے، سوائے اُن دو افراد کے جن کے درمیان باہمی رنجش ہو۔ لہٰذا اس ماہ کا تقاضا ہے کہ دلوں کو صاف کیا جائے، معافی اور درگزر کو اپنایا جائے اور باہمی محبت و اخوت کو فروغ دیا جائے۔ جس دل میں نفرت کا دھواں بھرا ہو، اس پر رمضان کی تجلیات پوری طرح منعکس نہیں ہوتیں۔

رمضان کا ظاہری و باطنی احترام نہایت ضروری ہے۔ جو لوگ اس بابرکت مہینے میں روزہ داروں کے سامنے کھاتے پیتے ہیں، یا بازاروں میں کھانے پینے کی چیزوں کی کھلی نمائش کرتے ہیں، اسی طرح ہوٹلوں، ریستورانوں، سینما گھروں اور تھیٹروں کا بلا روک ٹوک کھلا رہنا بھی ماہِ رمضان کے تقدس کے سراسر منافی ہے۔ اللہ نے جنہیں وسعت دی ہے، اُن کے لئے لازم ہے کہ وہ فقراء و مساکین، یتیموں اور بیواؤں کی خصوصی خبر گیری کریں۔ افسوس کہ ہمارے معاشروں میں رمضان کے آتے ہی ضروری اشیاء کی قیمتیں بڑھا دی جاتی ہیں، حالاں کہ یہ نرم خوئی، سخاوت اور آسانیاں پیدا کرنے کا مہینہ ہے۔ جو تاجر اس ماہ میں نرمی اور رعایت کا رویہ اختیار کرے گا، وہ صدقۂ جاریہ کمائے گا اور رب کی رحمت کو اپنی تجارت کا ضامن پائے گا۔

رمضان کا ایک ایک لمحہ ہزاروں مہینوں پر بھاری ہے۔ اس میں نیکیوں کے ثواب کے پیمانے بے حد بڑھا دیے جاتے ہیں۔ ہر شام افطار کے وقت فرشتے بندگانِ خدا کے لئے خوش خبریاں لے کر آتے ہیں۔ روزہ دار کے منہ کی بو تک اللہ کے نزدیک مشک و عنبر سے زیادہ محبوب ہے۔ اس ماہ میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے تاکہ انسان نیکی کی طرف آسانی سے مائل ہو سکے۔ اسی مہینے میں شبِ قدر ہے جس کی عبادت ہزار مہینوں سے بہتر ہے — جو اس ایک رات کو پالے، گویا عمر بھر کی عبادت پالیتا ہے۔

خدائے متعال ہمیں رمضان کے حقیقی فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے، ہماری لغزشیں معاف فرمائے، ہمارے دل پاک و صاف فرمائے اور ہمیں اپنی بے پایاں رحمت سے حصہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ◘

نقدونظر

کلامِ رضا: فکری و فنی زاویے

تالیف: سید صبیح رحمانی

تبصرہ: طاہرہ انعام

مذہب و ادب میں تفاوت کا مفروضہ جن اصنافِ ادب کو بلیغ نقد و نظر سے محروم رکھ سکتا ہے۔ ان میں حمد و نعت مقدّم ہیں، مولانا احمد رضا خان کی علمیت کو ان کی ادبی شان کے لیے حجاب نہ ٹھہرنا چاہیے بلکہ ان کا عالمِ دین ہونا، ان کے شعری معیار کو کیونکر تقویت دے رہا ہے۔ اس پہلو کو اجاگر کرنا ضروری امر ہے اس میں شک نہیں کہ مولانا کی نعت گوئی کے اثرات نقد و نظر کے واسطوں سے مستثنیٰ ہو کر روایت میں سرایت کرتے رہے تھے لیکن جناب صبیح رحمانی کی یہ خصوصی کاوش ان کہے، غیر محسوس رویوں کو باقاعدہ تحریک دینے کا عزم و عمل ہے۔ انھوں نے کلامِ رضا کے اہم فکری و فنی اور لسانی حوالوں کے معاصر ادبی مباحث اور تجزیاتی مطالعات میں نظر انداز کیے جانے کو ہماری تنقید کے آگے ایک بڑا سوالیہ نشان قرار دیا ہے یہ لازم نہیں کہ اہلِ نقد و ادب کی یہ غفلت دانستہ یا متعصبانہ رہی ہو۔۔۔ بلکہ ایک اہم عامل یہ رہا ہے کہ ان کے کلام میں علومِ قرآن و حدیث کے حوالے، تشریح و تنقید کے لیے بھی اسی آگہی کے متقاضی ہیں۔ یہ گنجائش بہر حال ضروری تھی کہ علوم اسلامیہ پر عبور نہ ہونے کے باوجود ان کی (بلکہ ہر عالم کی) شاعری کا ادبی محاسبہ روا رکھا جائے، دراصل مولانا کی شاعری اور ان کے فن پر تنقید کی سمت اہلِ علم کو متوجہ کرنا اور سوچ کے زاویوں کو مرکز و محور مہیا کرنا ہی وہ اقدام تھا جس کی ابتدا صبیح رحمانی کی اس تالیف سے ہوئی ہے۔ ابتدا میں لکھتے ہیں:

"نقد و نظر کا ماحول ایک کھلی فضا کا تقاضا کرتا ہے جبکہ ہم نے مولانا کے گرد ایسا تقدیسی ہالہ قائم کر رکھا ہے جو شعری تخلیقات کو معروضی انداز اور ادبی معیارات کی روشنی میں پرکھنے والے سنجیدہ اہل قلم کو اس طرف آنے سے روکنے کا سبب بن رہا ہے۔" (ص:۹)

زیرِ نظر تحاریر میں بھی جابجا یہ تاثر ملتا ہے کہ مولانا کے کلام پر ادبی تنقید بروئے کار لاتے ہوئے ان کا دینی تفضّل پل بھر کو نظر انداز نہیں ہوا۔ گویا فن اور ناقد کے مابین ان کی شخصیت کو اس جاہ سے ایستادہ کر دیا گیا کہ ناقد شعر کو نظر بھر کر نہ دیکھ سکے یہ تالیف اسی سمت ایک سعی کار آمد ہے کہ "اس ایوان میں فکر تازہ کے دریچے" کھُلیں اور کلامِ رضا کی تفہیم شعری تنقید کے توسط سے ایک خالص ادبی حوالہ بن کر سامنے آئے، خود مؤلف کے پیش کردہ معروضات اس ضمن میں خاطر خواہ سمت نمائی کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان نکات کو مولانا احمد رضا خان پر تنقید و تفہیم کے لیے کیے گئے اقدامات میں آئندہ بھی مدّ نظر رکھا گیا۔

مولانا کے کلام میں حمد و نعت کی ہم آہنگی بھی نظر آتی ہے۔ مناقب سے معنون شاعری بھی نہ صرف مشرقی تنقید کے قدیم معیارات پر پورا اترتی دکھائی دیتی ہے بلکہ اس میں موجود تلمیحی اشارے اسلام کے نورِ ہدایت کا ابدی تسلسل اجاگر کر رہے ہیں اہل بیت اور صحابہ کرام کی مدح کا اوّلین محرّک ان ہستیوں کا محبوبِ خدا سے منسوب ہونا ہی ہے۔ ان کے تمام شعری سرمائے کو موضوع، فکر، زبان و بیان اور صنائع بدائع کے ساتھ ساتھ عقائد کے حوالے سے بھی موضوع تنقید بنایا گیا ہے۔ مگر یہ احتمال بہر حال مدّ نظر رہنا چاہیے کہ شاعر کے صحت عقائد کی بحث غیر متوازن ہو تو ادبی تنقید کو بے سمت کر سکتی ہے۔

مولانا احمد رضا خان کے تبحرِ علمی نے ان کی اُردو شاعری کو قرآنی آیات و احادیث سے مملو ایک تلمیحاتی فضا عطا کی ہے اس فضا میں وہ ان صنائع کی بدولت بھی سرخرو ہوئے ہیں جن کا استعمال قدرے علمیت و ریاضت کا متقاضی ہے۔ ان کے ہاں ملمع اور مرصّع

کلام کے علاوہ محاورات، استعارات، صنعت اتصال تربیع، صنعت سوال و جواب، تجنیسِ مماثل، تجنیس مستوفی تجنیس زائد وغیرہ کی بکثرت مثالیں یہ واضح کر رہی ہیں کہ مولانا کے کلام پر تنقید کا بیڑہ اُٹھانا ایک بھاری ذمہ داری ہے یہ دور تساہل پسندی اور کم علمی کی ستر پوشی کرتی ہوئی شہرت کا ہے ایسے میں صاحبِ علم شاعر پر تنقید کو نظر انداز کیے جانے کے کئی وجوہ ممکن ہیں جن کی اجتماعی ماحول میں کھوج یا نشاندہی مروّجہ ادبی تہذیب کے خلاف ہے۔

علامہ شمس بریلوی نے اپنے مضمون میں دورِ حاضر کے علمی افلاس اور شعرا کا علمِ بیان، علم قافیہ اور فصاحت و بلاغت کے لوازم و قواعد سے بے اعتنائی کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں:

"جناب رضا قدس سرہٗ کا تعلق اس دور سے تھا جب فن عروض و بلاغت کو شاعری کی جان سمجھا جاتا تھا۔ علم معانی و بیان پر بیسیوں کتابیں بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جاتی تھیں۔ قطعہ و رباعی میں فرق سمجھا جاتا تھا۔ تشبیب و گریز کا مفہوم ہر شاعر جانتا تھا۔ علم قافیہ کے آداب شاعری میں ملحوظ رہتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں مطلع میں ایطاء پیدا نہ ہو جائے غزل کے قوافی عیبِ قافیہ کی زد میں نہ آجائیں کوئی مصرع بحر سے گر نہ جائے اور آج تو سریلے سازوں کی نواؤں اور غنیموں کی صداؤں میں نثر بھی نظم کا روپ دھار لیتی ہے تو ان قیود و آداب اور فنی بندشوں کے عذاب میں خود کو کون ڈالے۔" (ص:۹۰)

مولانا کے کلام میں صنائع معنوی مثلاً ایہام، طلب، توریہ، عکس، رجوع، جمع، تفریق، تقسیم، تجرید، مذہب، کلامی، اشتباع، توجیہ، تجاہلِ عارفانہ وغیرہ کا ذکر ناقدین نے کیا ہے لیکن اس کے باوصف ان کی شاعری یہ قوت رکھتی ہے کہ وفورِ عشق اور جذب و صداقت نے ان کی نعت کو ہر ذہنی و علمی سطح کے لیے مقبول بنا دیا ہے۔ فن اور اسلوبیات کے مباحث سے قطع نظر ان کا شعر کیفیات کی ترسیل اور قاری کی اس کیفیت میں شمولیت اور سرشاری کی بھرپور قوت اپنے اندر رکھتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"اس کلام کو اپنے سرہانے رکھیے اور روز ایک آدھ نعت دھیرے دھیرے اس کی کیفیات کو اپنے باطن میں سموتے ہوئے پڑھیے تو آپ رفتہ رفتہ محسوس کریں گے کہ حضرت کا کلام ہی نہیں بلکہ خود حضرت آپ سے کلام کر رہے ہیں اور روحِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ آپ کے اندر جلوہ گر ہو رہی ہے۔" (ص:۶۶)

جذبۂ عشق رسول ﷺ کا وفور ہی ان کے کلام کے ہر زاویے کو دلآویز اور دلکش بنا رہا ہے اس لطافت میں بھی بلند آہنگی ان کے تبحرِ علمی اور عصری معیاراتِ شعر کے باعث ہے۔ مگر مولانا کا اختصاص یہ ہے کہ انھوں نے فنِ شعر کے یہ لوازم نعت میں کیونکر استعمال کیے۔ یہ جائزہ یقیناً عام شعری تجزیے سے مختلف ہے ناقدین نے ان عالمانہ تجزیات کے ساتھ بہترین انتخابِ شعر بھی میسر کر دیا ہے اور نعتیہ تنقید میں اس پہلو کو اجاگر کیا ہے کہ شریعت کی پاسداری کے بغیر نعت گو کی قوتِ متخیلہ راہ داں نہ ہو سکے گی۔

سلامِ رضا کی مقبولیت عام نے مولانا کے تمام کلام پر سبقت لے لی ہے۔ ہر چند کہ اس قبولیت کی بنیاد خلوص و وابستگی پر ہے لیکن اس کے محاسنِ کلام کو بھی ثانوی حیثیت دینا مشکل ہے۔ نبوت و رسالت کے مختلف پہلو اور معجزاتِ نبیؐ کا تذکرہ، دقیق نکتوں کی حامل لطیف شاعری بیک وقت عالمانہ شان اور عاشقانہ سرمستی لیے ہوئے ہے۔ بقول ڈاکٹر ابوالخیر کشفی:

"ان اشعار کے جسم میں آیاتِ قرآنی کے مفاہیم اور کنایے روح کی طرح دوڑ رہے ہیں۔" (ص:۱۰۹)

حضور ﷺ کے اخلاق و عادات و اطوار اور سراپائے محبوبِ خدا سبھی کا ذکر نوبہ نو تراکیب میں جامعیت سے سمٹ آیا ہے۔ ڈاکٹر اسحاق قریشی قصیدۂ سلامیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"ایک بھرپور تاثر کا حامل قصیدہ جس میں ذات سے صفات تک، خصائص و شمائل سے امتیازاتِ سیرت تک، مدح سے دعا تک، وجودِ پاک سے متعلقاتِ وجود تک ایک رحمت کا سائبان تنا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس قدر طویل تاثر کو یکتائی کا اسیر رکھنا صاحبِ فن کا ہی کمال ہے۔ ایسا صاحبِ فن جو لفظوں کی حُرمت سے بھی آشنا ہے اور معانی کے تقدس سے بھی آگاہ ہے۔ یہ بلاشبہ شعری عظمت کی معراج ہے۔" (ص:۱۴۱)

برصغیر کے دورِ غلامی کے پس منظر میں ڈاکٹر اسحاق قریشی نے مولانا کی علمی جہات اور تخلیقی رویے کا جو تجزیہ پیش کیا ہے وہ تاریخی تنقید کی عمدہ مثال ہے۔ بقول جاسن کسی تخلیق کے بارے میں صحیح فیصلہ کرنے کے لیے ہمیں خود کو اس عہد میں سانس لیتا ہوا

محسوس کرنا ہوگا، فاضل مضمون نگار نے اسی انداز سے مولانا کے معاصر ادبی ماحول، تقاضوں اور فنی لوازم کا جائزہ لیا ہے اور ساتھ ہی مولانا کے علمی و فقہی شعور اور ان کی ذاتی شخصیت کے تناظر میں ان کے شعری مزاج کا تجزیہ کیا ہے۔ اپنے ممدوح کے خصائص، خصائل، شمائل، جودوکرم کے تذکرے کے ساتھ استغاثہ و استعانت میں بھی مولانا کے خلوصِ سیرت نگاری کو اجاگر کیا ہے۔ معجزات کے ذکر میں ان کی نادر تراکیب اور منفرد قوافی و ردیف نے چار چاند لگائے ہیں۔ بالخصوص قصیدۂ معراجیہ میں معراج کا بیان بے مثال ہے۔ ڈاکٹر اسحاق قریشی لکھتے ہیں:

''ایک واقعہ واردات کی صورت، لفظ و معنی کو محیط ہو گیا ہے رواں دواں بحر دل پر دستک دیتے مرکبات اور مشکل تر موضوع کو دل نشیں کر دینے والا اسلوب۔۔۔''(ص:۱۳۸)

انھوں نے مولانا کے سرمایۂ شعر و نثر سے یہ حقیقت بھی اخذ کر لی ہے کہ معتمد عالم اور مستند محقق ہونے کے ساتھ ساتھ مولانا اعلیٰ تنقیدی بصیرت سے بھی متّصف تھے۔

جناب احمد جاوید نے کلامِ رضا میں حسنِ اظہار کا وسیلہ بننے والے لوازمات اور تصورات کو جمالیاتی زاویوں سے دیکھا ہے اور اس اہم نکتے پر بحث کی ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کی شخصیت کا جوہر ان کے فتاویٰ میں نہیں ''حدائقِ بخشش'' میں ہے۔ جس میں مولانا نے محبت و معرفت کے تقاضے اس طور نبھائے ہیں کہ عشقِ رسول ﷺ کے والہانہ احساس و اظہار کو خواص و عوام کے دلوں میں زندہ کر دیا۔ مولانا کی نعتیہ شاعری عظمتِ رسالت کا جو ذوق رکھتی تھی اس کے طفیل ہمارے عشقِ رسول ﷺ کے فطری جوہر کو جِلا ملی ہے۔ احمد جاوید کے بقول:

''اعلیٰ حضرت کی یہ شانِ عشق ان کی شانِ علم کی کمک پر ہے۔''(ص:۱۵۲)

انھوں نے مولانا کے کلام میں موجود شدتِ اثر کو متصوفانہ زاویوں سے دیکھا ہے اور وہ نکات بیان کیے ہیں جو نعت کے فکر و فن میں بہر صورت دخیل ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ذاتِ اکمل کو Symbolization کی حاجت نہیں بلکہ بڑا شاعر اپنی ذات کو سمبلائز کرتا ہے:

''رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حدائق بخشش سے حاصل ہونے والی معرفت کیا ہے۔ یہ اتنا قیمتی نکتہ ہے کہ اگر حدائق بخشش ظہور میں نہ آتی تو اُردو خواں حضرات کی تحویل سے ہمیشہ کے لیے باہر رہتی وہ نکتہ ہے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی میں اصالت (Principality) اصل کی حیثیت آپ ﷺ کی حبیبیت کو حاصل ہے۔ آپ ﷺ اپنے جوہرِ ہستی میں حبیب اللہ ہیں۔ اپنی ہستی کی فضیلت میں رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کی رسالت آپ ﷺ کی حبیبیت کی Menifestation ہے۔ آپ ﷺ کی حبیبیت اصل ہے۔ اگر آپ صرف اس پر فوکس کر کے اب حدائق بخشش کو دیکھیں تو آپ کو اس میں موجود تمام معانی میں ایک نیا کرنٹ دوڑتا ہوا نظر آئے گا ایک نیا ربط پیدا ہوتا دکھائی دے گا اور آپ کو رسول اللہ ﷺ کی وہ معرفت حاصل ہوگی جو کسی دستیاب ذریعے سے ممکن نہیں ہے۔''(ص:۱۵۵،۱۵۴)

کلامِ رضا میں تازہ کاری کے امکانات کی تلاش پر ڈاکٹر ریاض مجید نے اظہارِ خیال کیا ہے اور روایتی و تقلیدی استفادے کے بجائے تخلیقی استفادے پر زور دیا ہے بلکہ سرِدست حدائقِ بخشش کی معروف نعتوں کے مصرع ہائے اولیٰ سے کئی نعتیہ زمینیں اخذ کرنے کے کچھ تجربے بھی کیے ہیں اور ان سے نعت نگاروں کو استفادے کی دعوت دی ہے۔

کلامِ رضا کی منفرد ردیفوں نے معنی کو نئی جہات دینے کے علاوہ بجائے خود موضوع کی صورت بھی اختیار کر لی ہے جو بسا اوقات بقول عبدالنعیم عزیزی نعت کو ایک مکمل تجربے میں بدل دیتی ہے۔ فن کے یہ مباحث نعتیہ ادب کے لیے جاں بخشش ہیں۔ مولانا احمد رضا خان کی نعت میں خصوصاً دفاعِ رسول ﷺ کے حوالے سے جو مدلّل اور مستحکم انداز ہے۔ اس کی بنیاد علمِ دین پر ہے۔ اس تجزیے کے علاوہ ان کے شعری تناظر کو سیاسی سیاق و سباق اور عنادین اسلام کی فریب کاریوں کے تناظر میں بھی پرکھا گیا ہے۔ یہ جائزہ واضح کرتا ہے کہ بڑا فنکار ہر صنفِ ادب کو اپنے تہذیب و تشخص کا آئینہ دار بنا دیتا ہے۔ بعض جگہوں پر ناقدین کا اسلوب تنقید یا فن شناسی کے بجائے عقیدت مندی کے تقاضے

نبھاتا ہے لیکن ان باتوں سے قطع نظر ان تحریروں کا ماحصل یہی ہے کہ اس قدر زمانی بعد کے باوجود مولانا کی شاعری قدیم و جدید معیاراتِ فن سے قریں ہے یہ آفاقی شاعری کی خصوصیت ہے۔

کلامِ رضا میں صنعتِ مجحوب کے مسائل کو زیرِ بحث لاتے ہوئے ہیئت اور تعیینِ بحور کے معاملے پر بات کی گئی ہے جس کی بنیاد پر آغازِ مباحث ممکن ہے لیکن فی زمانہ یہ تردّد مفقود ہے۔ صاحبانِ علم کو اس کا بیڑہ اُٹھانا چاہیے۔ لسانی لطافت اور ندرت کی یہ ترجمانی بھی ضروری ہے۔ فنکار کی مانند، قارئین میں بھی مشکل پسند طبائع فطرتاً ہی ودیعت ہوتی ہیں۔ ان کا سامانِ ذوق بھی کوئی تو مہیا کرے گا۔۔۔ جو شخص صاحبِ علم ہے۔ یہ خوبیاں اس کے ہاں بے ساختہ ہی در آتی ہیں کوئی کم مایہ زبردستی اس پر مشق کرے گا تو تصنّع کا گماں ہو گا۔ ایسی جداگانہ خوبیوں کو ہرگز ابلاغ یا دائرۂ قبولیت میں حائل نہ سمجھنا چاہیے ایک ممتاز ہنرور کے خواص میں مقبول ہونے کا حق قائم ہے۔ محض عوامی مقبولیت حتمی معیار نہیں یہ معاملہ تو ذوق و آگہی کا ہے۔

اسی طرح عربی، فارسی، اردو، ہندی، ترکی زبانوں کے علاوہ مقامی زبانوں سے رسمی تعارف کبھی کبھی چونکانے کا کام کر سکتا ہے مگر ان پر ماہرانہ قدرت یقیناً ابلاغ کی عالمانہ قوت رکھتی ہے جسے سراہنا بھی ذوقِ بلند کے بغیر ممکن نہیں۔ مولانا احمد رضا خان نے منفرد، کم مستعمل اور بظاہر غریب و متروک الفاظ کو اپنی تخلیقی قوت سے حرکت و توانائی عطا کی ہے۔ ڈاکٹر تنظیم الفردوس لکھتی ہیں:

"ان کی شاعری میں کوئی جز ماورائے شاعری بھی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس جز کا تعلق ان کے علمی مرتبے، فضل و کمال یا کسی بھی نوع کی ہمہ دانی سے نہیں ہے اس کے باوجود ان کے کلام میں لفظی دروبست اور صوتی و لسانی ہمہ رنگی کا جائزہ لیا جائے تو ان کا انفرادیت کا رنگ بخوبی ابھر کر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔" (ص:۲۰۴)

دیہی اور مضافاتی بولیوں، علاقائی محاوروں، ہندی اور سنسکرت کے الفاظ اور کہاوتوں اور علامتوں سے ان کی واقفیت عربی زبان اور اسلامی فضا سے مل کر عجب رنگ دکھاتی ہے۔ عقائد کی ماورائیت بیان کی ارضیت میں ضم ہے۔ حرف اور محاورے کے مزاج کو سمجھنا اسے سامع کی نفسیات کے لیے مقبول ترین صورت دینا فنی کامیابی ہے۔ لفظیات کے ضمن میں وقیع مطالعاتِ رضا کی راہ ہموار کرنا ضروری ہے۔

فنی و لسانی حوالے سے کلامِ رضا کے سلسلے میں اٹھائے جانے والے مباحث، سوالات اور ان کی جوابی توضیح، فکری تحرّک اور سرگرمی کا باعث ہے۔ ضرورت میدانِ ادب میں ان علوم کے احیا کی ہے۔ یہ ادبی تہذیب کا ہم پر قرض ہے اسے کسی کو تو اپنے ذمے لینا ہے ورنہ یہ غلط فہمی پنپتی رہے گی کہ یہ خصوصیات اور ہنروری صرف خالص مذہبی عالم ہونے سے مشروط ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ادب کی تخلیق و تنقید کا دائرہ سمٹنے کے بجائے بڑھ کر تہذیب کے مستحکم اور وقیع سرچشموں سے جا ملے۔ مضمون نگاروں نے کلامِ اساتذہ سے استناد کرتے ہوئے جو تحقیقی و تفصیلی بحثیں کی ہیں۔ وہ یقیناً سود مند ہیں ان کی اثر پذیری سے انکار ممکن نہیں ان بحثوں کے بعد ناقدین کو آئندہ قابلِ عمل ضوابط کا تعین بھی کرنا چاہیے۔

کلامِ رضا کے فرہنگ و تعلیقات اس میں مضمر تہذیب و تاریخ اور ثقافت کے جہان کو آشکار کر سکتے ہیں۔ ان کے فکر و فن اور اندازِ بیاں نے کن کن سرچشموں سے نمو پائی ہے۔ یہ تحقیق و تنقید بے حد موثر ہو گی۔ یہاں تلمیحات معنویت اور تاریخیت کا ایک جہان ہیں صوتی آہنگ کی معنی سے کمال ہم آہنگی ہے۔ نعت کی موضوعاتی وسعت کی نوید بھی یہاں ملتی ہے۔ کلامِ رضا میں سراپائے رسول ﷺ پر بات کرتے ہوئے جو ضمنی بحثیں سامنے آئی ہیں یہ تصوف سے آگہی اور نعت میں متصوفانہ عناصر کا جائزہ لینے میں معاون ہیں مگر اس ضمن میں دی گئی بعض مثالوں میں جو اشعار محض معجزات کا تلمیحی ذکر لیے ہوئے ہیں۔ ان کا معنوی ربط بھی صوفیانہ مباحث سے جوڑ دینا، عام ذہن کو تذبذب میں مبتلا کرتا ہے جس سے یہ سوال اُٹھتا ہے کہ کیا مذہب و تصوف سے کم آگہی کو مولانا کی ہر نعت سے حظ اُٹھانے میں حائل سمجھا جائے؟

فنی و لسانی معروضات کے علاوہ موضوعاتی اختصاص مثلاً میلاد نگاری، معجزات نگاری کے حوالے سے بھی کلامِ رضا کی انفرادیت مسلمہ ہے۔ پیش کردہ حقائق شعریت آشنا ہوئے ہیں تو استناد اور جمالیات دونوں کے آگے سرخرو نظر آتے ہیں۔ کلاسیکی روایت سے جذب و آگہی اور اپنے عارفانہ تخلیقی وجدان سے انھیں اسلوب کا خاص رنگ عطا ہوا ہے۔ مہتاب پیامی لکھتے ہیں:

"امام احمد رضا خان بریلوی کے شعری تجربوں اور ان کے Diction سے ایک ایسا وسیع ترین جمالیاتی منظر نامہ تیار ہوتا ہے کہ اس سے عشق کا ایک جہانِ معنی پیدا ہوتا نظر آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت عشق کو اس گہرائیوں میں ٹٹولتے اور چھوتے ہیں اور اس عمل سے ان کے شعری کینوس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا محسوس ہونے لگتا ہے۔ واقعات اور حادثات جمالیاتی تجربوں کی روشنی سے اپنی کئی جہتوں کا احساس ایک ساتھ کرانے لگتے ہیں۔ تجربات اور واقعات کے درخت سے کئی ایک شاخوں کی نمو ہوتی ہے اور ان کی Multicolour تصویریں اور کیفیتیں اُبھرنے لگتی ہیں۔ Diction کی عظمت تجربوں سے پھوٹتی، محسوس ہوتی ہے۔ حیرت تحیّرِ عشق اور قوت کے حسی جمالیاتی تجربے قاری کو اپنے جلال و جمال، اپنے وقار اور اپنی رفعت و عظمت کا احساس بخشتے ہیں۔" (ص:۳۱۸)

کلامِ رضا پر تنقید کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات بھی محلِ نظر ہوئی کہ کسی بھی بڑے شاعر کے اثرات کو محض تقلید نہ کہنا چاہیے ہر دور میں شعرا کی اپج، افتادِ طبع اور ممدوح کا مشترک ہونا، مماثل کیفیات کے اظہار کا باعث ہو سکتا ہے خصوصاً جب تخلیق کاروں کا شعور اور لاشعور مشترک تہذیبی سرچشموں سے نمو پا رہا ہو تو مماثلت کا امکان اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اسے تقلید کے زمرے میں لانا مستحسن نہیں۔ یہ نکتہ کسی زود حسِ تخلیق کار کو اس قدر محتاط نہ کر دے کہ شعوری گریز کی کوشش اس کا تخلیقی حسن لے ڈوبے۔ اس کے علاوہ کلامِ رضا میں ثقافتی عناصر کی تشکیل کا جائزہ بھی کچھ سوالات پیدا کرتا ہے۔

ڈاکٹر کاشف عرفان نے مولانا کے کلام کو جدید تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کی سعی کی ہے ان کے ہاں نئے، اہم اور منفرد سوالات کو تنقیدی مطالعے کی اساس بنانے کا رجحان موجود ہے مگر نعت پر ان زاویوں سے تنقید اسی ابہام یا دیر فہمی کو پیدا کرتی ہے جو قدیم اور جدید تنقید کے امتیازات سمجھنے میں در پیش ہوتی ہے۔ تخلیق کے پسِ پردہ بنیادی مرکزے کی تلاش اور اس سلسلے میں موثر عوامل کو سمجھنے کی کوشش شاید دوسری اصنافِ سخن میں زیادہ موزوں مؤثر اور متنوع ہو، نعت کی تخلیق کے پسِ پردہ بنیادی مرکزہ تو عشقِ رسولؐ یا تعلق بالرسول ﷺ ہے جس سے تخلیق کار کی وابستگی کی نوعیت زمینی سے زیادہ الہامی ہے اور اس کا اظہار کسی علاقے یا ثقافت سے مشروط نہیں۔ نعتیہ تنقید میں ان پہلوؤں کا جواز تلاش کرنے میں فاضل مضمون نگار نے بے حد تگ و دو کی ہے۔ یہ پہلو سنجیدگی سے مدِّ نظر رہنا چاہیے کہ ایسی کاوشوں میں نعتیہ تنقید بے رُخ نہ ہو جائے۔ اپنے موقف میں ساختیاتی تنقید کے متعلق جو آرا درج کی گئی ہیں۔ ان سب کے کہنے والوں کے مدِ نظر نعت نہ تھی۔ نعت کو ادبی تناظر دینا درست، مگر ہر ادبی رویے یا نظریے کا اس میں در آنا لازم نہیں۔ فن کی تخلیق کے دوران قاری کا فن کار کے ذہن کے نہاں خانوں میں ضرور موجود ہونا بھی تخلیقِ نعت کے لیے لازمی نہیں۔

ساختیاتی مطالعات سے جُڑے تمام تصورات نعتیہ تنقید کا سیاق نہیں ہو سکتے۔ تخلیقِ نعت کی طرح تنقیدِ نعت بھی حزم و احتیاط سے مشروط ہے۔ لازم ہے کہ پہلے یہ تنقیدی تصورات بجائے خود صریح اور غیر مبہم ہوں پھر ان کا اطلاق نعت پر کرنے کی جسارت کی جائے۔ علم و جدان میں مذہبی مدحیہ شاعری کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

"یہ روحانی ترفع اللہ کی دین ہے اور سرکارِ دوعالم ﷺ کی نظرِ کرم سے بھی اس کا تعلق ہے۔" (ص:۲۶۱)

یہ رائے نعت کے متعلق اس تمام تنقید میں ہمیشہ موجود رہی ہے جسے مصنف نے "روایتی" اور "اکہرے معنی کی دریافت" قرار دیا ہے اگر ساختیاتی مطالعے کا بھی یہی ماحصل ہے تو اس قدر ذہنی و فکری سیاحت چہ معنی؟؟

ان کے بیانیے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامت پسندی جدّت کی علامت اور علامت سے عدم لگاؤ کا مطلب "روایتی" ہونا ہے جبکہ یہ مزاج کا معاملہ ہے۔ افتادِ طبع قواعد و رجحانات کی پابند نہیں ادب کو مکمل طور پر شعوری عمل قرار نہ دیتے ہوئے بھی انھوں نے تخلیق کار سے نقاد سے جدید منطقی علومِ ادب کو بروئے کار لانے کا کشٹ نہ اُٹھانے کی شکایت کی ہے۔ شعوری ریاضت بھی بہر حال ضروری ہے۔ مسلسل مشق ہر فن کو صیقل کرتی ہے۔ اگر بقول مصنف تخلیق کار کا لاشعور ہی مقدم ہے یا بہر صورت دخیل ہے تو "روایتی" شاعر پر متذکرہ بالا اعتراضات کیوں؟ اسی فکری تضاد اور ابہام نے دس تمہیدی صفحات رنگ ڈالے۔

جدیدیت کا اشتیاق روایت کو یک قلم مسترد کر دینے کو معیوب نہیں جانتا لیکن یہاں ہر بحث کسی ایسے نکتے پر منتج ہوتی ہے جو اس "روایتی" تنقید میں بھی بعینہٖ موجود تھے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"مولانا کے نعتیہ دیوان کے مطالعے سے برصغیر میں رہنے والے ایک عاشقِ رسول ﷺ کا تصور اُبھرتا ہے جو جسمانی سطح پر تو اپنے شہر میں موجود ہے لیکن اس کا دل اور روح روضۂ سرکارِ مدینہ کا طواف کرنے میں مشغول ہیں وہ اپنی ہر نسبت اس خطۂ زمین سے رکھنا چاہتے ہیں جس کا تعلق آقا کریم ﷺ سے ہے۔ ان کا یہ ذہنی سفر ان کی زندگی کا حصہ بن کر نعتوں میں در آیا۔" (ص:۲۶۵)

یہ مولانا کا شخصی امتیاز نہیں اور نہ ہی اس کی نشاندہی جدید تنقید کا شاخسانہ ہے بلکہ ہر نعت گو ذہنی و جذباتی طور پر انہی آفاق میں محیط ہوتا ہے۔ یوں نہ ہوتا تو اس ذہنی سفر کے بغیر سرزمینِ عرب سے باہر کوئی نعت گو جنم نہ لیتا۔ مزید لکھتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعتیہ شاعری کو سمجھنے کے لیے ان کے عہد سے قبل کی نعتیہ شاعری کی روایت کو سمجھنے کی ضرورت ہوگی۔" (ص:۲۶۵)

اگر یہی لوازمہ نقاد کے ملحوظِ خاطر ہے تو یوں گھوم پھر کر ساختیاتی تنقید کے دروازے ہی سے داخل ہونا، شعوری ندرت خواہی نہیں ہے؟؟؟ مصنف نے تقابلی تنقید کے نمونے بھی مروجہ روایتی تنقید کے تحت ہی پیش کیے ہیں مسلکی مخالفین کے خلاف تنبیہی اشعار کے لیے فاضل نقاد نے مولانا کے رویے کا استدلال یوں پیش کیا ہے کہ وہ عشقِ رسول ﷺ کے جس درج پر فائز تھے۔ وہاں وہ کسی بھی سطح معمولی اختلاف برداشت نہ کر سکتے تھے۔۔۔ جبکہ نعت بہرحال توازن کا تقاضا کرتی ہے ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ مناصبِ نعت میں اظہارِ عشق روا ہے یا اظہارِ مسلک؟؟ کیا نعت میں مذکورہ بالا رویے کو "قلندرانہ" قرار دینا صحیح ہوگا؟ یقیناً یہ سوال قابلِ غور ہے۔

ساختیات کا جب یہ دعویٰ ہے کہ تخلیق کے پسِ پردہ بنیادی مرکزے کو دریافت کرنا ہے تو نقاد شاعر کے اپنے Dimensions کو دیکھے۔ یہاں حالی اور رضا کے موازنے میں قدیم تنقیدی رنگ ہے اور موازنہ محض اندازِ اظہار میں ہو رہا ہے۔ مولانا کے کلام پر براہِ راست بھی جن پہلوؤں سے گفتگو کی گئی وہ معلوم اوصاف کو ایک تجریدی رنگ دینے کی کوشش ہے نعت پر یہ تنقید ہر عہد ہی میں ہوتی رہی ہے جبکہ مضمون کے آغاز میں فاضل نقاد چند "نئے" نکات کو لے کر چلنے والے تھے۔

فنی اور لسانی سطح پر غزل کے لحن کا استعمال بھی جداگانہ پہلو سے زیادہ اس وقت کے اجتماعی ادبی مزاج سے تعبیر کرنا چاہیے البتہ نعت کی تشکیل میں زبانوں کے اختلاط کے تجربے پر کاشف عرفان نے دلچسپ سوالوں کے در وا کیے ہیں مگر کئی دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی یہ معاملہ درپیش ہے کہ ان کے ہاں تنقیدی جہات کی پیشکش بہت زبردست لیکن پیش رفت تشنہ رہتی ہے۔ مولانا کے ہاں زبانوں کے اختلاط کا عمدہ تجزیہ کرتے ہوئے انھیں یہ رعایت بھی عطا کی جا رہی ہے کہ نعت میں اس ڈکشن کا استعمال اس عہد کی ضرورت تھا کہ ہر عہد اپنی ڈکشن خود مرتب کرتا ہے۔۔۔ یہ نکتہ یاد دلاتا ہے کہ مضمون کے آغاز میں اپنے عہد کے مطابق لکھنے والے روایتی شاعر کو کس مزمت کا سامنا رہا ہے۔ نعتیہ غزل میں جس ایمائیت کو سراہا گیا، دیکھنا چاہیے کہ بطور "نعت" ان اشعار میں ابلاغ کا دائرہ کیا ہے۔

مولانا کے ہاں لسانی تجربات کی نشاندہی فاضل نقاد نے عمدگی سے کی ہے۔ مگر استعاراتی نظام کے معانی کو مخصوص کر دینے کی کوشش قابلِ غور ہے مثلاً البحر علی والموج طغٰی۔۔۔ کو بحری سفرِ حج سے مربوط کرنے کے بجائے طوفانِ زندگی میں گھرے ہوئے امتی کا استغاثہ و استمداد سمجھنا زیادہ قریب الفہم ہے۔ نیز ان لسانی تجربات کو مولانا کی بے پایاں علمیت کے باعث ان کے تخلیقی لاشعور کی کارگزاری سمجھنا چاہیے نہ کہ شعوری تجربہ کاری۔۔۔ مختصر یہ کہ موصوف نے نظریۂ ترسیل اور لفظیاتی ساختوں کے حوالے سے کچھ "نکات" پیش کیے لیکن آگے چل کر مولانا کی تخلیقات کا جائزہ ان پیش کردہ نکات کے تابع نہیں بلکہ ان کے کیے گئے تجزیات میں روایت پرستی ہی کا فطری عامل صاف محسوس کیا جا سکتا ہے۔

یہ بات مزید وضاحت کی محتاج نہیں کہ کلامِ رضا اور فکرِ رضا پر اس تفکر اور تدبر کا سنجیدہ ذہنوں میں احیا کر دینا اس تالیفِ لطیف کے ثمرات میں رکھا جائے گا اور نعتیہ ادب کے لیے بحیثیت مجموعی کارآمد ہوگا۔ ■■■■

سفر آخرت

آہ! حبیب ملت نہ رہے

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی نسلم علی حبیبہ الکریم وآلہ وصحبہ اجمعین

29 دسمبر 2025ء کی شب حبیب ملت حضرت مولانا سید غلام محمد جیبی علیہ الرحمہ سجادہ نشین آستانہ مجاہد ملت دھام نگر (اڑیسہ) بھی اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے اور جیبی حلقے کو تاریخ چھوڑ گئے۔

جانشین مجاہد ملت حضرت مولانا شاہ عبدالوحید جیبی علیہ الرحمہ کے بعد درگا جیبی کے آپ ہی سجادہ نشین ہوئے۔ آپ نے مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے سلسلے کو فروغ دینے میں اور مسلک حق اہل سنت وجماعت کی نشر واشاعت میں بڑا حصہ لیا اور افکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس کی ترجمانی کی اور اسی پر سختی سے قائم تھے۔

ملک کے مختلف خطوں میں آپ کے مریدین ومعتقدین کی ایک بڑی تعداد ہے جس کا ثبوت آپ کے جنازے میں عقیدت مندوں کی کثیر تعداد سے بھی ہوتا ہے۔ بعض اندازہ لگانے والوں اور شریک جنازہ لوگوں نے دو لاکھ کی تعداد بتائی ہے۔ اس سے حضرت حبیب ملت کی مقبولیت کا پتا چلتا ہے۔

میری حبیب ملت سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب وہ شمس العلما حضرت علامہ مفتی نظام الدین جیبی علیہ الرحمہ سے جامعہ فیض العلوم جمشید پور جھارکھنڈ میں درس لے رہے تھے اور میں دارالعلوم غوثیہ نظامیہ جمشید پور میں صدر مدرس کی حیثیت سے درس دے رہا تھا۔ اس کے بعد بھی متعدّد ملاقاتیں ہوئیں۔

مولانا کی طبیعت میں سنجیدگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اسی لیے آپ کے بڑے اثرات تھے اس لیے آپسی لڑائی جھگڑوں سے دور رہا کرتے تھے، صوبہ اڑیسہ میں آپ کے بڑے اثرات تھے۔

ایک لمبے عرصے تک آپ نے حضور مجاہد ملت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمن عباسی قادری رئیس اعظم اڈیسہ کی جانشینی کے فرائض انجام دیے اور جائیدادوں کی حفاظت کی اور عرس جیبی کا اچھا انتظام کرتے رہے۔

وصال کی خبر مجھے سب سے پہلے عزیزہ ہاجرہ قادری سلمہا کٹیاجاج پور اڑیسہ نے دی اور بعد میں مولانا مجاہد حسین جیبی بن جناب مدثر حسین جیبی خلیفہ حضور مجاہد ملت سے اس کی تصدیق ہوئی، جس کے بعد میں غم واندوہ میں ڈوب گیا اور اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور قریب اور پاس کے لوگوں کو اس کی اطلاع دی اور دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ میں قرآن خوانی وفاتحہ کا اہتمام کیا۔

سچ پوچھیے تو حضرت حبیب ملت کے وصال کا غم صرف سلسلہ حبیبیہ کا غم نہیں، بلکہ پوری جماعت اہل سنت کا غم ہے۔ میں حبیب ملت کے پسماندگان کو تعزیت وتسلی کا پیغام دیتے ہوئے صبر کی دعا کرتا ہوں۔ مولا کریم ان کے صاحب زادگان کو ان کا سچا جانشین بنائے۔ آمین۔ اور جناب مرحوم کو جنت الفردوس کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

14 رجب المرجب 1447ھ

محمد عبدالمبین نعمانی قادری

دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ

علامہ سید قمر الدین بابا علیہ الرحمہ کا وصال
دینی وعلمی حلقوں کے لیے ایک عظیم سانحہ

مفتی محمد اعظم مصباحی مبارک پوری

حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین پٹیل مصباحی دارالعلوم غوثیہ بلیک برن یوکے کے توسط سے یہ روح فرسا خبر موصول ہوئیکہ پیر طریقت حضرت علامہ پیر قمر الدین بابا رحمۃ اللہ علیہ کا 30 جنوری 2026ء کو قبل جمعہ قضاے الٰہی سے وصال ہو گیا اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کا وصال نہ صرف آپ کے متعلقین و مریدین، تلامذہ اور اہل خانہ کے لیے بلکہ علمی و دینی حلقوں کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے۔ حضرت پیر سید قمر الدین بابا کی ولادت سرزمین گجرات کے پنچ محل ضلع کے کارنتا نامی گاؤں میں ہوئی، اور دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد گجرات سے درس نظامی کی تکمیل فرمائی اسکے بعد اختصاص فی الفقہ کا کورس کیا۔ اساتذۂ کرام میں شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی شیخ سید ظ حسن اشرفی کچھوچھوی، شیخ رفعت اللہ گونڈوی، شیخ عبد القادر احمد آبادی ملتانی، شیخ مبین الدین امروہوی، شیخ معین الدین خاں اعظمی وغیرہ کے اسماے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت پیر سید قمر الدین کی خدمات کا سلسلہ انھی کی مادرِ علمی دار العلوم شاہ عالم احمد آباد گجرات سے شروع ہوا۔ امین شریعت حضرت مفتی رفاقت حسین مظفر پوری کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ آپ کو اپنے پیر و مرشد کے علاوہ سید عبد الرزاق دریائی، سرکار کلاں حضرت سید مختار اشرف اشرفی الجیلانی، شیخ سید عبد الرحمٰن ظہیر الدین قادری بغدادی رحمہم اللہ سے مختلف سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت حاصل ہے۔

حضرت پیر قمر الدین بابا رحمہ اللہ اپنی وسعتِ مطالعہ، گہرے فہم، مضبوط استدلال اور شریعت وسنت سے والہانہ وابستگی کے سبب ممتاز مقام رکھتے تھے۔ آپ کی مجالس علم و حکمت کا گلستان ہوتی تھیں، جہاں قرآن و حدیث کے انوار بکھرتے، فقہ و تصوف کی باریکیاں واضح ہوتیں اور اصلاحِ باطن کا سامان میسر آتا۔ آپ نے نہ صرف علم سیکھا بلکہ اسے زندہ رکھا، اور اپنی عملی زندگی سے اس کی سچائی کو نمایاں کیا۔

آپ کی شخصیت میں عالمِ باعمل، مرشدِ کامل اور مشفق مربی کی صفات یکجا تھیں۔ سادگی، تواضع، شفقت اور حلم آپ کا خاصہ تھا۔ اختلافی مسائل میں اعتدال، نوجوانوں کی تربیت میں حکمت، اور عوام الناس کی رہنمائی میں خلوص آپ کا طرۂ امتیاز رہا۔ بے شمار تشنگانِ علم نے آپ کے فیض سے سیرابی پائی اور لاتعداد افراد نے آپ کی صحبت سے اپنے دلوں کو منور کیا۔

درس و تدریس اور ارشاد و تبلیغ کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف اور ترجمہ نگاری سے وابستہ رہے، دینی وعلمی موضوعات پر کئی ایک کتابیں تصنیف فرمائیں، متعدّد اردو کتابوں کا گجراتی زبان میں ترجمہ کیا جس فقہ حنفی کی عظیم کتاب بہار شریعت قابل ذکر ہے۔ ماہنامہ طیبہ دار العلوم شاہ عالم احمد آباد سے ایک ماہ نامہ گجراتی زبان میں شائع ہوتا تھا، ایک زمانے تک آپ اس کے مدیر رہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت پیر قمر الدین بابا رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند کرے، ان کی خدمات کو صدقۂ جاریہ بنائے اور تمام پسماندگان و متوسلین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

۲۶/ شعبان المعظم مطابق ۱۵/ فروری ۲۰۲۶ء

صدائے بازگشت

آمدِ رمضان المبارک

مکرمی!!! الحمد للہ! ایک بار پھر وہ مقدس اور بابرکت مہینہ ہمارے سروں پر سایہ فگن ہونے جا رہا ہے جسے ربِ کائنات نے رحمت و مغفرت اور جہنم سے نجات کا وسیلہ بنایا ہے۔ رمضان المبارک کی آمد ایک موسمی روایت یا رسمی مبارک باد کا موقع نہیں بلکہ یہ امتِ مسلمہ کے لیے اپنے باطن کا محاسبہ کرنے، اپنی سمت درست کرنے اور اپنے کھوئے ہوئے مقصد کو پہچاننے کا سنہرا لمحہ ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جو خاموشی سے ہمارے دروازے پر دستک دے کر پوچھتا ہے کہ کیا ہم نے اپنے ایمان کی حفاظت کی؟ کیا ہم نے اپنے اعمال کو قرآن و سنت کے تابع کیا؟ اور کیا ہم واقعی اس امت کا حصہ بننے کے اہل ہیں جسے خیرِ امت کا لقب عطا کیا گیا تھا؟ آج کا المیہ یہ ہے کہ ہم رمضان المبارک کی آمد پر ایک دوسرے کو مبارک باد تو دے دیتے ہیں مگر اس کے اصل پیغام کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ رمضان المبارک کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہمارے ضمیر کو جھنجھوڑے، ہمیں ہمارے رب کے قریب کرے اور ہمیں ان فتنوں سے ہوشیار کرے جو ہمارے ایمان و عقیدے اور اخلاق کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ بد عقیدگی، بے دینی، فکری انتشار اور اخلاقی زوال نے ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کو جس طرح متاثر کیا ہے اس کے ازالے کے لیے رمضان المبارک ایک خدائی موقع ہے۔ یہ مہینہ ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم صحیح عقیدے پر ثابت قدم ہوں، قرآن و سنت کو اپنی زندگی کا معیار بنائیں اور ہر اس فکر و عمل سے کنارہ کشی اختیار کریں جو ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے دور کرتا ہے۔ رمضان ہمیں یاد دلاتا ہے کہ نماز ایک رسم نہیں بلکہ بندے اور رب العالمین کے درمیان مضبوط ترین رشتہ ہے۔ پانچ وقت کی نماز باجماعت، راتوں کی تراویح، قرآن کی تلاوت، ذکر و دعا یہ سب اس مہینے کی روح ہیں۔ روزہ صرف بھوک اور پیاس برداشت کرنے کا نام نہیں بلکہ آنکھ، کان اور زبان کو بھی گناہوں سے روکنے کا نام ہے۔ جھوٹ، غیبت، سود، رشوت، بدنگاہی اور بے حیائی وہ بیماریاں ہیں جو ہمارے روزوں کی روح کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ خصوصاً موجودہ دور میں موبائل فون اور سوشل میڈیا کے بے جا اور غلط استعمال نے ہماری توجہ، ہمارے اخلاق اور ہمارے اوقات کو جس طرح برباد کیا ہے رمضان المبارک ہمیں اس سے توبہ اور احتیاط کی عملی تربیت دیتا ہے۔ یہ مہینہ اخلاقی اصلاح اور باہمی اتحاد کا بھی پیغام لاتا ہے۔ حسد، بغض، کینہ اور فرقہ وارانہ جھگڑے امت کے جسم میں زہر کی مانند ہیں۔ رمضان المبارک ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم دلوں کو صاف کریں، ایک دوسرے کے لیے آسانی پیدا کریں اور اختلاف کے باوجود برداشت، صبر اور احترام کا دامن نہ چھوڑیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس رمضان المبارک کو صرف کیلنڈر کا ایک باب نہ سمجھیں بلکہ اسے اپنی زندگی کی اصلاح، اپنے ایمان کی تجدید اور اپنے معاشرے کی تعمیر کا ذریعہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بابرکت مہینے کی قدر کرنے، اس کے

حقوق ادا کرنے اور اس کے انوار و برکات سمیٹنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری انفرادی و اجتماعی زندگیوں کو قرآن و سنت کے نور سے منور فرمادے۔ آمین۔

(حافظ) افتخار احمد قادری
کریم گنج، پورن پور، پیلی بھیت، یوپی

مصنوعی ذہانت کا انقلاب

مکرمی! تاریخِ انسانی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے ہمیشہ اپنے تمدن کی عمارت اپنی ایجادات کے پتھروں سے تعمیر کی ہے۔ آگ کی دریافت سے لے کر پہیے کی ایجاد تک، اور چھاپہ خانے سے لے کر انٹرنیٹ کے جادو تک، ہر دور کی ٹیکنالوجی نے انسانی زندگی کے ڈھانچے کو نئے معنی دیے۔ لیکن آج ہم جس "مصنوعی ذہانت" کے عہدِ نو میں قدم رکھ چکے ہیں، وہ پچھلے تمام انقلابات سے اپنی فطرت میں یکسر مختلف اور کہیں زیادہ پراسرار ہے۔ یہ محض مشینوں کی رفتار یا کارکردگی میں اضافے کا قصہ نہیں، بلکہ یہ مشینوں کے "بااختیار" اور "صاحبِ ادراک" ہونے کا آغاز ہے۔ اب مشینیں صرف وہ نہیں کرتیں جو انہیں حکم دیا جائے، بلکہ وہ اب ہمارے اشاروں کو سمجھنے، ہمارے طرزِ عمل سے سیکھنے اور آزادانہ طور پر فیصلے کرنے کی جرات کر رہی ہیں۔ یہ وہ موڑ ہے جہاں انسان نے پہلی بار ایک ایسی "مصنوعی عقل" تخلیق کر لی ہے جو خود اس کے اپنے ہی وجود کے لیے ایک چیلنج بن کر ابھر رہی ہے۔

اس ٹیکنالوجی کے عروج نے دنیا بھر میں ایک لرزہ خیز بحث کو جنم دیا ہے کہ کیا انسان اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی معزولی کا سامان تیار کر رہا ہے؟ یہ کوئی معمولی تبدیلی نہیں ہے کہ ایک بے جان مادہ (Silicon) انسانی اعصاب کی طرح کام کرنے لگے اور وہ تخلیقی و تجزیاتی کام سیکنڈوں میں کر ڈالے جن کے لیے انسان کو برسوں کی ریاضت درکار ہوتی تھی۔ شعور کی اس نئی لہر نے جہاں سہولتوں کے انبار لگا دیے ہیں، وہیں ایک ایسا نفسیاتی اور وجودی خوف بھی پھیلا دیا ہے جس نے ماہرینِ معاشیات سے لے کر عام مزدور تک سبھی کو تذبذب میں ڈال دیا ہے۔ کیا یہ ٹیکنالوجی انسانی صلاحیتوں کو نئی وسعتیں دے گی یا ہمیں اپنے ہی بنائے ہوئے شاہکاروں کے سامنے بے بس اور غیر ضروری کر دے گی؟ یہ محض ایک سائنسی سوال نہیں، بلکہ اس دور کا سب سے بڑا انسانی المیہ ہے جس کا جواب ڈھونڈنا ہماری نسل کے لیے ناگزیر ہو چکا ہے۔

گزشتہ چند برسوں میں مصنوعی ذہانت نے عالمی منڈی اور روزگار کے ڈھانچے میں جس تیزی سے نقب لگائی ہے، اس نے معاشی ماہرین اور عام طبقے دونوں کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ وہ شعبے جو کبھی خالصتاً انسانی ذہانت اور باریک بینی کے مرہونِ منت تھے، آج وہاں مشینوں کی حکمرانی نظر آتی ہے۔ خاص طور پر ڈیٹا انٹری، بینکنگ، اکاؤنٹنگ اور گرافک ڈیزائننگ جیسے میدانوں میں AI نے ایک ایسا انقلاب برپا کر دیا ہے جس نے پرانے طریقوں کو قصہ پارینہ بنا دیا ہے۔ سیکنڈوں میں پیچیدہ حساب کتاب کرنا، ہزاروں صفحات کا عمیق تجزیہ کرنا، اور انسانی جذبات کو سمجھ کر ان کے مطابق بصری خاکے (Visuals) تیار کرنا اب مشینوں کے لیے محض ایک الگورتھم کی بات ہے۔ اس صورتحال نے اس "وائٹ کالر" طبقے میں ایک گہرا ارتعاش پیدا کر دیا ہے جو اپنی ڈگریوں اور روایتی مہارتوں پر تکیہ کیے بیٹھے تھے۔

اس یلغار کا سب سے حساس پہلو وہ میدان ہیں جن کا تعلق زبان اور بیان سے ہے، جیسے کہ ترجمہ نگاری (Translation) اور تخلیقی تحریر۔ شعبہ ترجمہ و موازنہ ادب کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ تبدیلی اور بھی نمایاں ہے۔ ماضی میں ایک زبان سے دوسری زبان میں متن کی منتقلی کو ایک مقدس فن سمجھا جاتا تھا جس میں مترجم اپنی روح پھونکتا تھا، مگر آج "نیورل مشین ٹرانسلیشن" (NMT) نے زبانوں کی دیواریں گرا دی ہیں۔ اگرچہ مشین ابھی تک انسانی تخلیق کے جوہر تک نہیں پہنچ سکی، مگر اس کی رفتار اور درستی نے پیشہ ورانہ مترجمین

کے لیے ایک چیلنج کھڑا کر دیا ہے۔ اب مقابلہ صرف علم کا نہیں بلکہ ٹیکنالوجی کے ساتھ ہم آہنگی کا ہے؛ یعنی اب صرف وہ مترجم یا قلمکار مارکیٹ میں اپنی جگہ برقرار رکھ سکے گا جو AI کو حریف سمجھنے کے بجائے اسے ایک "اسمارٹ ٹول" کے طور پر استعمال کرنا جانتا ہو۔

روزگار کے اس بدلتے ہوئے نقشے میں سب سے بڑا خطرہ ان لوگوں کو ہے جو اپنی مہارتوں کو وقت کے ساتھ اپ گریڈ (Upgrade) کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ جدید معیشت اب "ڈگری" سے زیادہ "مستقل سیکھنے کی صلاحیت" (Adaptability) کا تقاضا کر رہی ہے۔ AI کے اس دور میں وہ ملازمتیں تیزی سے ختم ہو رہی ہیں جو تکرار (Repetitive) اور یکسانیت پر مبنی تھیں، جبکہ ان کاموں کی قدر بڑھ رہی ہے جہاں تنقیدی سوچ (Critical Thinking) اور پیچیدہ مسائل کے حل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب ہمیں ایک ایسے تعلیمی اور پیشہ ورانہ ماحول کی ضرورت ہے جہاں انسان اور مشین ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر نہیں، بلکہ ایک دوسرے کے مددگار کے طور پر کام کریں۔ مستقبل کے کامیاب ملازم یا تخلیق کار کے لیے اب "ڈیجیٹل لٹریسی" ایک آپشن نہیں بلکہ بقا کی بنیادی شرط بن چکی ہے

مصنوعی ذہانت کی تمام تر حیرت انگیز ترقی کے باوجود، ایک ایسی ناقابلِ عبور سرحد ہے جہاں پہنچ کر تمام مشینیں اور ان کے پیچیدہ الگورتھمز بے بس ہو جاتے ہیں، اور وہ سرحد ہے "انسانی شعور اور جذباتی ادراک"۔ ایک مشین ہزاروں کتابوں کا ڈیٹا تو اپنے اندر محفوظ کر سکتی ہے، مگر وہ اس "دکھ" کو کبھی محسوس نہیں کر سکتی جو ایک ادیب کو ہجرت کا دکھ لکھتے ہوئے تڑپاتا ہے۔ شعبہ ترجمہ و موازنہ؟ ادب کے طالب علم کے طور پر ہم جانتے ہیں کہ ترجمہ صرف ایک زبان کے لفظ کو دوسری زبان کا لباس پہنانا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک تہذیب کی روح کو دوسری تہذیب میں منتقل کرنے کا نام ہے۔ مشین لفظ کا متبادل تو دے سکتی ہے، مگر وہ اس "سیاق و سباق" (Context) اور اس "تلمیح" یا "استعارے" کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتی جو صدیوں کی انسانی تاریخ اور اجتماعی لاشعور سے جڑی ہوتی ہے۔

ادب کی دنیا میں اصل چیز "بیان" نہیں بلکہ "کیفیت" ہوتی ہے۔ جب ایک مترجم کسی شاہکار کا ترجمہ کرتا ہے، تو وہ مصنف کے لہجے کی حدت، اس کے ماحول کی خوشبو اور اس کے جملوں کے پیچھے چھپی خاموشی کو بھی محسوس کرتا ہے۔ مشینی ذہانت (AI) صرف اس ڈیٹا کی بنیاد پر نتائج نکالتی ہے جو اسے پہلے سے فراہم کر دیا گیا ہو، جبکہ انسانی تخلیق ایک "نامعلوم" اور "ان چھوئے" جذبے سے جنم لیتی ہے۔ مشین کبھی بھی موازنہ ادب (Comparative Literature) میں وہ باریک بینی پیدا نہیں کر سکتی جو دو مختلف تہذیبوں کے درمیان موجود لطیف فرق کو انسانی آنکھ سے دیکھ سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ تخلیقی عمل میں ایک قسم کی "مقدس دیوانگی" شامل ہوتی ہے، جسے ریاضی کے اصولوں میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ ایک مشین "گرائمر" کے اعتبار سے تو درست جملہ لکھ سکتی ہے، لیکن وہ اس جملے میں وہ "تاثیر" پیدا نہیں کر سکتی جو قاری کے دل کی دھڑکن تیز کر دے۔ لہٰذا، ادب، فن اور ترجمے کے میدان میں AI انسان کا متبادل نہیں بلکہ صرف ایک "سیکرٹری" بن کر رہ سکتا ہے۔ وہ ہمیں لغات تلاش کرنے میں مدد دے سکتا ہے، وہ ہمیں مسودے کی تدوین (Editing) میں سہولت فراہم کر سکتا ہے، مگر تخلیق کی وہ اصل چنگاری ہمیشہ انسان کے اپنے خونِ جگر سے ہی پھوٹے گی۔

مستقبل میں جیت اسی کی ہوگی جو مشینی تیزی کو انسانی گہرائی کے ساتھ جوڑنا جانتا ہو۔

از: توصیف شیخ
پی جی اسکالر: دارالہدی اسلامک یونیورسٹی، کیرالا

غزہ میں 3 ہزار فلسطینیوں کے فضا میں تحلیل ہونے کا ہول ناک انکشاف

غزہ (11 فروری 2026): غزہ میں خطرناک ترین امریکی ممنوعہ تھرموبیرک بموں کے استعمال کا انکشاف ہوا ہے۔ الجزیرہ نے اپنی رپورٹ میں 3 ہزار فلسطینیوں کے فضا میں تحلیل ہونے کا ہول ناک انکشاف کیا ہے اور بتایا کہ ان بموں نے فلسطینیوں کا نام و نشان تک باقی نہیں چھوڑا۔

تھرموبیرک بموں کا درجہ حرارت 3 ہزار 500 سینٹی گریڈ ہوتا ہے، اس سے فوری طور پر جسم راکھ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق یہ جنگی جرم ہے، یورپ اور امریکا نے اسرائیل کو یہ بم سپلائی کیے، جس سے عالمی نظام انصاف غزہ کے امتحان میں ناکام رہا۔ جزیرہ کی تحقیق سے انکشاف ہوا ہے کہ امریکا کی فراہم کردہ حرارتی اور تھرموبیریک گولہ بارود نے، جو 3,500 ڈگری سینٹی گریڈ تک جلتا ہے، تقریباً 3,000 فلسطینیوں کا کوئی نشان تک باقی نہیں چھوڑا۔

10 اگست 2024 کو صبح سویرے یاسمین مہانی غزہ سٹی کے الطبین اسکول کے دھواں اُگلتے ملبے میں اپنے بیٹے سعد کو تلاش کر رہی تھیں۔ انھیں اپنے شوہر چیختے ہوئے ملے مگر سعد کا کوئی سراغ نہیں تھا۔ مہانی نے الجزیرہ عربی کی تحقیقاتی رپورٹ میں بتایا ''میں مسجد کے اندر گئی تو خود کو گوشت اور خون پر قدم رکھتے پایا، ہم نے کئی دن تک اسپتالوں اور مردہ خانوں میں تلاش کیا، ہمیں سعد کا کچھ بھی نہیں ملا۔ دفنانے کے لیے لاش بھی نہیں۔ یہی سب سے تکلیف دہ بات تھی۔''

مہانی ان ہزاروں فلسطینیوں میں سے ایک ہیں جن کے پیارے اسرائیل کی غزہ کے خلاف جارحیت کے دوران اچانک لاپتا ہو گئے، جس میں 72,000 سے زائد افراد زندگی سے محروم ہو چکے ہیں۔

الجزیرہ عربی کی تحقیق ''دی ریسٹ آف دی اسٹوری'' کے مطابق غزہ کی سول ڈیفنس ٹیموں نے اکتوبر 2023 میں جنگ شروع ہونے کے بعد سے 2,842 فلسطینیوں کو دستاویزی شکل میں ریکارڈ کیا ہے جو ''بھاپ بن گئے'' اور ان کے پیچھے خون کے چھینٹوں یا گوشت کے چھوٹے ٹکڑوں کے سوا کوئی باقیات نہیں ملیں

ماہرین اور عینی شاہدین نے اس مظہر کو اسرائیل کی جانب سے بین الاقوامی طور پر ممنوع قرار دیے گئے حرارتی اور تھرموبیریک ہتھیاروں کے منظم استعمال سے منسوب کیا ہے، جنھیں عموماً ویکیوم یا ایروسول بم بھی کہا جاتا ہے، اور جو ساڑھے تین ہزار ڈگری سینٹی گریڈ (6,332 فارن ہائیٹ) سے زائد درجہ حرارت پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

رپورٹ کے مطابق 2,842 کی یہ تعداد محض اندازہ نہیں بلکہ غزہ کی سول ڈیفنس کی فرانزک جانچ پر مبنی تفصیلی گنتی کا نتیجہ ہے۔ ترجمان محمود بصل نے الجزیرہ کو بتایا کہ ''ہم کسی نشانہ بنائے گئے گھر میں داخل ہوتے ہیں اور وہاں موجود افراد کی معلوم تعداد کو برآمد ہونے والی لاشوں سے ملا کر دیکھتے ہیں۔ اگر کوئی خاندان بتاتا ہے کہ اندر 5 افراد تھے اور ہمیں صرف 3 مکمل لاشیں ملتی ہیں، تو ہم باقی 2 کو اس وقت ''بھاپ بن جانے والا'' قرار دیتے

ہیں جب مکمل تلاش کے بعد خون کے نشانات یا کھوپڑی جیسے چھوٹے ٹکڑوں کے سوا کچھ نہ ملے۔"

اس تحقیق میں تفصیل بیان کی گئی کہ اسرائیلی گولہ بارود میں شامل مخصوص کیمیائی مرکبات کس طرح انسانی جسم کو چند سیکنڈ میں راکھ میں بدل دیتے ہیں۔

روسی فوجی ماہر واسیلی فاتیگاروف نے وضاحت کی کہ تھرمو بیریک ہتھیار صرف ہلاک نہیں کرتے بلکہ مادے کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ روایتی دھماکا خیز مواد کے برعکس، یہ ہتھیار ایندھن کا بادل پھیلاتے ہیں جو بھڑک کر ایک عظیم آتشی گولا اور خلا نما اثر پیدا کرتا ہے۔

فاتیگاروف نے کہا "جلنے کے دورانیے کو بڑھانے کے لیے کیمیائی آمیزے میں ایلومینیم، میگنیشیم اور ٹائٹینیم کے پاؤڈر شامل کیے جاتے ہیں۔ اس سے دھماکے کا درجہ حرارت ڈھائی سے تین ہزار ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے۔" تحقیق کے مطابق شدید حرارت اکثر ٹرائٹونل سے پیدا ہوتی ہے، جو ٹی این ٹی اور ایلومینیم پاؤڈر کا مرکب ہے اور امریکا میں تیار کردہ بموں جیسے MK-84 میں استعمال ہوتا ہے۔

غزہ میں فلسطینی وزارتِ صحت کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر منیر البرش نے انسانی جسم پر اس انتہائی حرارت کے حیاتیاتی اثرات کی وضاحت کی، جو تقریباً 80 فیصد پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ البرش نے کہا "پانی کا نقطۂ ابال 100 ڈگری سینٹی گریڈ (212 فارن ہائیٹ) ہے۔ جب جسم کو 3,000 ڈگری سے زائد توانائی، شدید دباؤ اور آکسیڈیشن کے ساتھ لاحق ہوتی ہے تو جسمانی رطوبتیں فوراً ابل جاتی ہیں۔ بافتیں بھاپ بن کر راکھ میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہ کیمیائی طور پر ناگزیر ہے۔"

قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ ان اندھا دھند استعمال ہونے والے ہتھیاروں کا استعمال نہ صرف اسرائیل بلکہ اس کے مغربی سپلائرز کو بھی ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ قطر کی جارج ٹاؤن یونیورسٹی میں لیکچرار اور وکیل ڈیانا بُتو نے کہا "یہ عالمی نسل کشی ہے، صرف اسرائیلی نہیں۔"

دوحہ میں الجزیرہ فورم سے خطاب کرتے ہوئے بُتو نے مؤقف اختیار کیا کہ اسلحہ فراہم کرنے کا سلسلہ خود شراکت داری کا ثبوت ہے۔ انھوں نے کہا "ہم امریکا اور یورپ سے ان ہتھیاروں کی مسلسل فراہمی دیکھ رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ ہتھیار جنگجو اور بچے میں فرق نہیں کرتے، اس کے باوجود وہ انھیں بھیجتے جا رہے ہیں۔"

بُتو نے زور دیا کہ بین الاقوامی قانون کے تحت ایسے ہتھیاروں کا استعمال جو جنگجوؤں اور غیر جنگجو شہریوں میں تمیز نہ کر سکیں، جنگی جرم کے زمرے میں آتا ہے۔ انھوں نے کہا دنیا جانتی ہے کہ اسرائیل کے پاس یہ ممنوعہ ہتھیار موجود ہیں اور وہ انھیں استعمال کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انھیں احتساب کے نظام سے باہر کیوں رہنے دیا جا رہا ہے؟ (الجزیرہ ڈاٹ نیٹ)

اہلِ سنت و جماعت کی اردو میں پہلی کتاب

تاریخ اسلام (مکمل)

(چھ جلدوں میں)

تصنیف:

مولانا محمد شہاب الدین رضوی بریلوی

طلب کریں:

اسلامک ریسرچ سینٹر بریلی شریف

07017033834

سرگرمیاں

خـــیروخـــبر

جامعہ اسلامیہ میراروڈ کا بیسواں سالانہ اجلاس

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ کسی بھی جلسے یا اجلاس کا مقصد اس کی روح اور کامیابی کا ضامن ہوتا ہے۔ الحمدللہ جامعہ اسلامیہ میراروڈ جب بھی کوئی دینی و تعلیمی پروگرام منعقد کرتا ہے تو اس کے پس منظر میں خلوصِ نیت اور واضح و بامقصد فکر کارفرما ہوتی ہے۔ ادارہ اپنے قیام کے روزِ اوّل سے قرآن و سنت کے پیغام کو ہر طبقہ اور ہر علاقے تک پہنچانے کے لیے کوشاں ہے، اسی مقصد کے تحت وقتاً فوقتاً مؤثر اور بامقصد اجلاس منعقد کرتا رہا ہے۔ جامعہ اسلامیہ میراروڈ نے بہتر نظامِ تعلیم کے ساتھ ساتھ علاقائی اور ضلعی سطح پر دعوت و تبلیغ کا اہم فریضہ بھی انجام دیا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی کے طور پر 7 فروری 2026ء کو منعقد ہونے والا بیسواں سالانہ اجلاس متعدّد دینی و تعلیمی مقاصد کے تحت منعقد کیا گیا۔

اجلاس کے علمی سیشن میں دینی تعلیم کی ضرورت و اہمیت کے موضوع پر اجلاس کے مقرر خصوصی ڈاکٹر سید فضل اللہ چشتی (دہلی) نے نہایت مؤثر اور بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ آپ نے واضح انداز میں فرمایا کہ دینی تعلیم کے بغیر اخلاقیات کا تحفظ ممکن نہیں، دینی تعلیم ہر گھر اور ہر فرد کی بنیادی ضرورت ہے۔

اسی موقع پر عوام میں قرآنِ مجید کو تجوید و حسنِ قرأت کے ساتھ پڑھنے کا ذوق بیدار کرنے کے لیے نو سال یا نو سال سے کم عمر بچوں اور بچیوں کے مابین کل میرا بھائندر مسابقۂ حسنِ قرأت کا انعقاد کیا گیا۔ تین فاضل جج حضرات، مفتی نور القمر مصباحی مفتی عزیز الرحمن ثقافتی، مفتی سفیر الاسلام رضوی کی نگرانی میں کل 18 طلبہ نے اپنے دلنشین اور پُراثر حسنِ قرأت کا شاندار مظاہرہ کیا۔ مدرسہ انجمن رضائے مصطفیٰ اسلامک سینٹر، بھائندر ایسٹ کے دو طلبہ نے بالترتیب اوّل اور دوم مقام حاصل کیا، جبکہ جامعہ اسلامیہ میراروڈ کے شعبۂ ناظرہ کے ایک طالب علم نے سوم پوزیشن حاصل کی۔ اسی اجلاس میں ادارے کے چھ طلبہ کو دستارِ حفظ سے نوازا گیا، جبکہ جامعہ اسلامیہ میراروڈ سے اب تک فارغ ہونے والے حفاظ کی مجموعی تعداد 66 بتائی گئی۔ ادارے کی تحریری خدمات کا اجمالی تعارف پیش کیا گیا اور شمس العلما دارالافتا و القضا کی دینی و سماجی خدمات کا شاندار ریکارڈ سامعین کے سامنے رکھا گیا۔

اجلاس میں شریک معزز علماء کرام نے عوام کو اس بات سے آگاہ کیا کہ موجودہ دور میں اس علاقے میں اس ادارے کی کس قدر اشد ضرورت ہے۔ بلاشبہ جامعہ اسلامیہ میراروڈ محض ایک ادارہ نہیں بلکہ ایک زندہ تحریک ہے، جو فروغِ علم و دین کے لیے شب و روز کوشاں ہے۔

اس عظیم الشان اجلاس میں ڈیڑھ سو سے زائد علماء و ائمہ کرام اور سیکڑوں کی تعداد میں مرد و خواتین نے شرکت فرمائی۔ تنظیم علمائے اہل سنت کے صدر علامہ مثنیٰ اشرفی اور تنظیم کے سرپرست علامہ اختر حسن صابری بدایونی کی سرپرستی و بھرپور حمایت حاصل رہی۔

میراروڈ کی اہم علمی شخصیت مولانا محمد مثنیٰ اشرفی اور ساکی ناکہ ممبئی سے تشریف لائے مفتی نور القمر ابنِ رقم مصباحی نے ماہرِ علومِ شرعیہ و عصریہ، مفتی محمد اختر علی واجد القادری (ایم اے) اور ادارے کے ناظمِ اعلیٰ حضرت علامہ مولانا حکیم محمد نذیر احمد رضوی کی خدمات کو خوب سراہا اور دعاؤں سے نوازا۔ حضرت صوفی حسین اشرف اشرفی جیلانی (ممبئی) نے بھی بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی۔ آخر میں صدرِ تنظیم کی پُراثر دعا پر یہ شاندار، بامقصد اور تاریخ ساز اجلاس کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ **(از: عبدالقادر شیخ۔۔ مدرس ادارہ ہذا)**

کتاب "اردو کے اوّلین سفرناموں میں ہندوستانی تہذیب وثقافت" کی رسم اجراء

اردو یونیورسٹی کے اسسٹنٹ پروفیسر
ڈاکٹر محمد شاکر رضا مصباحی کی دوسری تصنیف

حیدرآباد، 13 فروری (پریس نوٹ) مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے استاذ ڈاکٹر محمد شاکر رضا مصباحی کی کتاب "عربی کے اولین سفرناموں میں ہندوستانی تہذیب وثقافت" کی رسم اجراء یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر سید عین الحسن و دیگر اساتذہ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ 154 صفحات پر مشتمل اس کتاب کو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن، ٹرانسلیشن اسٹڈیز، لیکسیکوگرافی اینڈ پبلیکیشن کی جانب سے شائع کیا گیا ہے۔

پروفیسر سید علیم اشرف جائسی سابق صدر شعبہ عربی، مانو نے اس کتاب کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ یہ کتاب نویں اور دسویں صدی عیسوی کے عربی سفرناموں میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت کا بیان اور اس کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ ہے۔ جس میں ان عرب مصنفین اور سیاحوں کے بیانات کو مرکزِ بحث بنایا گیا ہے جنہوں نے بذاتِ خود ہندوستان کا سفر کیا اور یہاں کے حالات قلم بند کیے، یہ سفرنامے اس دور کی ہندوستانی تہذیب کو سمجھنے کے لیے نہایت قیمتی تاریخی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ معروف ادیب، مصنف اور اسلامی مفکر پروفیسر محسن عثمانی نے اس کتاب کے متعلق کہا کہ ڈاکٹر محمد شاکر رضا عربی زبان وادب کے استاذ اور نقاد ہیں، ان کی یہ نئی کتاب دلپذیر ہے، جس کے لیے انہوں نے بہت محنت سے مواد جمع کیا ہے، اور مجھے امید ہے کہ اہل علم اور اہلِ ذوق حضرات کے درمیان اس کتاب کو قبولیت کا شرف حاصل ہوگا۔ ایفلو یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے پروفیسر محمد انظر نے اس کتاب کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مصنف نے اردو زبان وادب کے دامن کو عربی زبان وادب اور ثقافت کے موتیوں سے بھر دیا ہے۔ ان کے مطابق مصنف نے اردو زبان میں عربی سفرناموں کو منتقل کر کے تخلیق کاری کی ایک نئی پہل کی ہے۔ بلکہ عربی زبان کے لالہ وگل سے عطر کشید کر کے اردو زبان کے چمنستان میں نور ونکہت کا اضافہ کیا ہے، چشمہ حیوان سے کشت ویراں کو سیر آب کرنے کی تعبیر اگر صحیح ہو سکتی ہے اور اس کے لیے کوئی جواز نکل سکتا ہے تو وہ کام بھی مصنف نے کر دیا ہے۔ کتاب کی تقریبِ رسم اجراء میں شیخ الجامعہ پروفیسر سید عین الحسن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی کی پروفیسر ویبھا شرما، یونیورسٹی کے رجسٹرار پروفیسر شیخ اشتیاق احمد، ڈائریکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلیکیشنز کے ڈائریکٹر پروفیسر محمد خالد مبشر الظفر، مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم کے ڈائریکٹر پروفیسر رضاء اللہ خان اور یونیورسٹی کے ڈین اسٹوڈنٹس ویلفیئر پروفیسر صدیقی محمد محمود بھی موجود تھے۔ پروفیسر سید عین الحسن وائس چانسلر مانو نے اس تصنیف پر اپنی خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے کتاب کے مصنف ڈاکٹر محمد شاکر رضا کو اس تصنیف پر مبارکباد پیش کیا۔

یہ کتاب مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے سیل کاؤنٹر پر دستیاب ہے۔

اردو، ہندی، انگلش، فارسی اور عربی کتب کی
کمپوزنگ، سیٹنگ، طباعت
اور ہر قسم کے کلینڈر، پوسٹر، اور بینر کی ڈیزائننگ
اور طباعت کے لیے رابطہ کریں۔
پیامی کمپیوٹر گرافکس، مبارک پور
9235647041
payamee@gmail.com

خیابان حرم

حمد و نعت

نعت پاک

رحمت دوجہاں حامی بیکساں شاہِ کون ومکاں وہ کہاں میں کہاں
سرور سروراں رہبر رہبراں تاجدارِ شہاں وہ کہاں میں کہاں

ان کی خوشبو سے مہکے چمن در چمن، تذکرے آپ کے انجمن انجمن
چاند کی چاندنی، تاروں کی روشنی، ان کے رخ سے عیاں وہ کہاں میں کہاں

کس طرح سے کہاں سے کروں ابتدا، ان سے اوصاف کی ہے کہاں انتہا
ان کا رتبہ ہے کیا خود ہی جانے خدا، کیا کروں میں بیاں وہ کہاں میں کہاں

وہ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا یہاں، ان کے ہونے سے ہے سب کا نام ونشان
یہ زمیں آسماں یہ مکاں لامکاں، سارے ان کے مکاں وہ کہاں میں کہاں

مہ لقا، دلکشا، خوش نوا، خوش ادا، رہنما، پیشوا، مجتبےٰ، مصطفیٰ
جملہ بھوبیاں ان گنت خوبیاں، میری قاصر زباں وہ کہاں میں کہاں

عمر گزرے میری ذکرِ سرکار میں، جاؤں ان کے ظہوری جو دربار میں
آخری سانس لوں، نعت پڑھتا رہوں ختم ہوگی یہاں وہ کہاں میں کہاں

از: محمد علی ظہوری

مناجات
دربارگاہ قاضی الحاجات

مرے نخل تمنا کو ثمر دے فضل سے اپنے
خدایا خرمن ہستی کو بھر دے فضل سے اپنے
قیام امن ہو انصاف کا پھر بول بالا ہو
جہان نو کو پھر کوئی عمر دے فضل سے اپنے
ہمیں دونوں جہاں میں کامیاب و کامراں کردے
فلاح و فوز دے فتح و ظفر دے فضل سے اپنے
کلام پاک نے جس کو بتایا فاءز و فاءق
ہمیں بھی اس جماعت کا اثر دے فضل سے اپنے
اندھیرے میری قسمت کے اجالوں میں بدل جائیں
مری تاریک دنیا کو سحر دے فضل سے اپنے
بصارت مجھ کو بخشی ہے جو اپنے لطف و رحمت سے
بصیرت کی بھی اک بینا نظر دے فضل سے اپنے
وہ جنکے دم سے ہیں ساری بہاریں زندگانی کی
رہائش کے لیے ان کا نگر دے فضل سے اپنے
ہمارے چاہنے سے تو فقط کچھ ہو نہیں سکتا
تری یہ شان تو جو چاہے کردے فضل سے اپنے
جو سارے اہل باطل کے نشیمن پھونک کر رکھ دے
گروہ حق کی نصرت کو عمر دے فضل سے اپنے
ہو جس سے منفرد پہچان مولی سارے عالم میں
نمایاں ایسا اشکل کو ہنر دے فضل سے اپنے

بقلم:
اشکل فواز دہلوی عرف اویس القادری

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

THE ASHRAFIA MONTHLY

MARCH 2026

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

(Mob. No.) 9450109981 (Mumbai Office) 022-23726122 (Delhi Office) Tel. 011-23268459, Mob.No. 9911198459
www.aljamiatulashrafia.org Email: info@aljamiatulashrafia.org

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا علمی فیضان ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ اب عالم گیر ہوگیا ہے۔ اشرفیہ نے جس برق رفتاری سے ارتقائی منزلیں طے کی ہیں اشرفیہ کے معاونین اور دیگر اہلِ خیر اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس وقت دو سو پچاس سے زائد افراد پر مشتمل ایک متحرک اور فعال اسٹاف اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور مختلف شعبوں میں تقریباً گیارہ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بیرونی طلبہ کی خوراک، رہائش اور اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں پر ایک خطیر رقم سالانہ خرچ کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ادارہ بجا طور پر اہلِ خیر حضرات کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ والسلام

عبدالحفیظ عفی عنہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

DONATION

You can make donation by cheque, Draft or by online in the favour of-

(For Education) برائے تعلیمی چندہ

(1) Darul Uloom Ahle Sunnat
Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Central Bank of India
A/C 3610796165
IFSC. Code: CBIN 0284532

(2) Darul Uloom Ahle Sunnat
Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Union Bank of India
A/C 303001010333366
IFSC. Code: UBIN 0530301
Branch Code: 530301

(3) Darul Uloom Ahle Sunnat
Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Punjab National Bank
A/c 05752010021920
IFSC. Code : PUNB0057510

(For Construction) برائے تعمیری چندہ

(1) Aljamiatul Ashrafia
Central Bank of India
A/c 3610803301
IFSC. Code: CBIN 0284532

(2) Aljamiatul Ashrafia
Union Bank of India
A/c 303002010021744
IFSC. Code: UBIN 0530301
Branch Code: 530301

(3) Aljamiatul Ashrafia
Punjab National Bank
A/c 05752010021910
IFSC. Code : PUNB0057510

(1)- Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12

BHIM
BHARAT INTERFACE FOR MONEY

BHIM UPI Payments Accepted at
Darul Uloom Ahle Sunnat
Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Account Number : 3610796165, IFSC Code: CBIN0284532

SCAN & PAY ANY UPI SUPPORTED APPS

Only for Foreign Countries. FCRA Registration. No.236250051 Nature: Educational Social. For Account Detail, please visit http://aljamiatulashrafia.in/donation.php?lang=EN